ان من الشعر لحکمۃ ان من البیان لسحراً

دیوان وثوق

غلام محی الدین المخاطب عارف الدین خان وثوق

مشتمل بر غزلیات و بعض قصائد مع دیباچہ و تذکرہ مصنف

مرتبہ

عبد الباسط مولوی فاضل

۱۳۳۲ھ

مطبوعۂ فخر المطابع حیدرآباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

اس زمانہ میں جبکہ شعر و شاعری کا بازار بالکل سرد پڑ گیا ہے، اور جدید تمدن اور نئی روشنی نے پرانی شاعری پر پانی پھیر دیا ہے، کسی دیوان کو (اور وہ بھی فارسی کے جو ہندوستان میں مثل مردہ زبان کے ہو گئی ہے) شایع کرنیکے یہ امید رکھنا کہ پبلک کی جانب سے اس کا خیر مقدم کیا جائیگا، اور شاعر کے کلام کی قدر کی جائیگی، اور اس کے شایع کرنے والے کی محنت اور عرق ریزی کی داد دی جائیگی، بالکل فضول ہے اور اگر کوئی ایسا خیال رکھے تو اسکی نسبت کہا جا سکتا ہے کہ دماغ بیہودہ پخت و خیال باطل بست۔

دور عالمگیری سے فارسی شاعری اس قدر تنزل کر گئی ہے کہ اگر اب اس کو مردہ سمجھا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ اس عہد سے لیکر آج تک کوئی ایسی نظیر نہیں ملتی کہ فارسی زبان کے کسی شاعر نے اپنے فن میں کمال پیدا کرنیکے بعد محض شعر و سخن کی بدولت، مال و دولت کے اعتبار سے وہ فتوحات حاصل کیے ہوں جو ان کے پیشرووں نے کیے تھے۔

اب تو شعرا کو اسکی بھی توقع نہیں ہے کہ کوئی سچے دل سے انکے کلام کی قدر کریگا، اور انکی دماغ سوزی اور جگر کاوی کی داد دیگا۔ اس زمانہ کے ایک مشہور شاعر نے ابنائے زمان کی ناقدردانی اور اپنے کمال سخندانی کی تصویر ذیل کے اشعار میں نہایت عمدہ کھینچی ہے وہ کہتا ہے:-

لایق مدح در زمانہ چو نیست | خویشتن را ہمی سپاس کنم
بچہ امید در زمانۂ کور | شاہد طبع رو شناس کنم
کس زبان مرا نمی فہمد | بعزیزاں چہ التماس کنم

اس مضمون کو رونق اپنے ایک مقطع میں اس طرح ادا کرتے ہیں:-

شعر را قدرے نباشد اندریں عصر ای گوں | خویش را رونق بنادانی غزلخوان کردہ

جبکہ خود اہل کمال کو زمانہ سے قدردانی کی توقع نہیں ہے تو ان کے کلام کے شایع کرنے والے کو یہ امید ہو سکتی ہے کہ اس کا کام بنظر وقعت دیکھا جائیگا اور پبلک کی نگاہوں میں قابل ستایش ٹھہریگا۔

سچ پوچھئے تو ہم نے اس دیوان کو اس غرض سے شایع نہیں کیا کہ اسکے صلہ میں تحسین و آفرین کی صدائیں سنیں اور اپنی جد و کاوش کی داد لیں اس دیوان کی اشاعت سے محض یہ مقصود ہے کہ اسلاف کا کارنامہ زندگی حوادث کی دستبرد اور انقلابات عالم کے ہاتھوں گاؤ خوردہ ہونے سے بچ جائے اور جس فن کے سیکھنے میں انھوں نے عمریں صرف کر دیں اور جس فن کو انھوں نے معراج کمال پر پہنچایا وہ ابنائے زمان کی ناقدری اور کم التفاتی کی وجہ سے ضایع نہ ہونے پائے۔

گو موجودہ زمانہ میں شعر فہمی اور سخن سنجی کی ایسی ہی حالت ہے کہ جواہر ریزہ اور خزف میں کوئی تمیز کرنیوالا نہیں

لیکن ہنوز زمانہ گزشتہ کی بچی کھچی یادگاریں ایسی موجود ہیں جنکو فارسی شعر و سخن [illegible] ہے اور وہ ٹوٹے گھری کو اچھی طرح برکھ سکتی ہیں اس لئے ہم کو کلام رونق کے قدردانوں کے فقدان پر افسوس بھی نہیں [illegible]۔

اس دیوان کی اشاعت کو طغیانی رود موسی کی کرامات سے سمجھنا چاہئے۔ اگرچہ مصنف کے خاندان میں ایک عرصہ سے یہ دیوان چلا آتا ہے لیکن ان کے اخلاف میں سے کسی کو اسکی طبع و اشاعت کا [illegible] پیدا نہیں ہوا جس کی وجہ شاید یہ ہو کہ وہ اس کو اپنے اسلاف کا ایک ادون واہون کارنامہ سمجھتے ہوں اور اس کو انکے دل و دماغ کا ایک کمترین کرشمہ خیال کرتے ہوں، لیکن طغیانی رود موسی کی زد سے جب یہ نسخہ صحیح و سالم نکل آیا تو میں نے سوچا کہ جس نقطۂ خیال سے ہمارے بزرگوں نے اس دیوان کی اشاعت کی طرف اعتنا نہیں کی گو وہ بجائے خود صحیح ہو لیکن زمانہ کے حوادث و انقلابات سے انکی یادگاروں کو خواہ وہ چھوٹی ہوں یا بڑی محفوظ رکھنا نہایت ضروری امر ہے۔ اسی بنا پر میں نے اپنے عم مکرم قبلہ گاہی مولوی عبد القادر صاحب وظیفہ یاب صوبہ دار گلبرگہ اور برادر معظم مولوی عبد الرب صاحب قبلہ کی خدمت میں تحریک کی اس کو طبع کرا دیا جائے میری تحریک پذیرا ہوئی اور میری نگرانی میں دیوان طبع ہونے لگا مگر اثنائے طبع میں کچھ ایسے گوناگوں غیر مترقب تعویقات پریس کی جانب سے پیش آتے رہے کہ اشاعت دیوان میں غیر معمولی تاخیر ہو گئی اور جس مدت میں اسکو شایع ہو جانا چاہئے تھا اس کے بہت بعد وہ شایع ہوا۔ لیکن اس تعویق و تاخیر کو بھی میں اس مصلحت ایزدی پر محمول کرتا ہوں جس نے طغیانی رود موسی کے ظاہری نقصانات کی تہ میں بہت سے عظیم الشان فوائد اور جلیل القدر سود مند نتایج کو مضمر و مستتر کیا ہے اور جسکا ایک تتمہ طبع و اشاعت دیوان کی شکل میں ہمارے پیش نظر ہے۔ اس تعویق سے یہ فائدہ ہوا کہ اُن کا وہ کلام جو بعد میں دستیاب ہوا تھا اخیر میں منضم کر دیا جا سکا۔ جو بصورت دیگر بحالت ضیق ہی رہتا اور شاید ہی اسکے طبع کی نوبت آتی۔

دیوان کا اصل نسخہ مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے لیکن بالکل غیر مروف حالت میں تھا طبع کے وقت تمام غزلیں حروف تہجی کے لحاظ سے از سر نو ترتیب دی گئی ہیں۔ یہ نسخہ والد مرحوم کے کتب خانہ میں موجود تھا باوجودیکہ طغیانی رود موسی میں اس کتب خانہ کی قلمی کتابیں اکثر و بیشتر مکان کے ملبے کے نیچے دبکر خراب و خستہ اور از کار رفتہ ہو گئی تھیں لیکن تعجب ہے کہ اس نسخہ پر کسی قسم کی آنچ نہیں آئی۔ میں اپنے ماموں مولوی عبد الواجد صاحب قبلہ فرزند مولوی عبد العلی صاحب والد مرحوم کا نہایت ممنون ہوں کہ انھوں نے دیوان کا اصل نسخہ بغرض طبع عنایت فرمایا اور پرانی بیاضوں میں سے رونق کا کلام جس قدر مل سکا نہایت تفحص و تلاش سے فراہم کر کے مرحمت فرمایا۔ آپکو خاندانی تصنیفات کے ساتھ جو اہتمام و اعتنا ہے وہ نہایت قابل تعریف ہے۔ خاندانی کتب کے ساتھ اگر آپ کو شوق و شغف نہ ہوتا تو بہت کم امید تھی کہ دیوان کا نسخہ موجودہ حالت میں ملتا اور بعض خاندانی تصنیفات کا دیکھنا ہم کو نصیب ہوتا۔

بہر کیف شکر ہے کہ دکن کے ایک مشہور و معروف شاعر کا کلام شایع ہو گیا اور صرصر حوادث سے پریشان اور تلف ہونے سے بچ گیا۔ ہم کو قوی امید ہے کہ آیندہ اگر شعرائے دکن کا تذکرہ لکھا جائے تو رونق کے کلام کے متعلق رائے قائم کرنے کیلئے یہ دیوان بطور رہبر کے کام دیگا۔ ناظرین کی آگاہی کے لئے مصنف کا تذکرہ اور ان کے کلام کے متعلق مختصر سا تبصرہ بھی لکھ دیا گیا ہے جس کا مطالعہ غالباً خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔

عبد الباسط۔ مولوی فاضل

رونق کے حالات اور کلام پر تبصرہ



خاندانی حال

غلام محی الدین المخاطب بہ عارف الدین خاں المتخلص بہ رونق کی پیدائش ۱۲۱۹ھ میں بمقام مدراس ہوئی اور وہیں انھوں نے ہوش سنبھالا انکے والد حافظ محمد معروف برہان پور کے باشندہ تھے، نواب والاجاہ کے عہد میں وارد مدراس ہوئے تھے۔ انھیں سے نواب ممدوح نے قرآن مجید کی تعلیم پائی اور تجوید سیکھی تھی۔ رونق نے ایک سجع میں اپنے والد اور دادا کیسا تھ اپنا نام اس طرح نظم کیا ہے ع معروف زعارف ست وشد زان عارف۔ انکا سلسلہ نسب حضرت ابوبکر الصدیق سے ملتا ہے۔ تاریخی کتابوں سے اسکا کوئی پتہ نہیں لگتا کہ اجداد کہاں سے اور کس تقریب سے ہندوستان آئے لیکن خاندانی روایات سے اس قدر ضرور ثابت ہے کہ اس خاندان کے مورث اعلی نے ہندوستان کی طرف جس شہر سے پہلے پہل ہجرت کی تھی وہ موصل تھا۔

ہمارے شہر کے مشہور مورخ مولوی عبد الجبار خانصاحب آصفی فرماتے ہیں کہ "تاریخ مشائخ برہان پور کے مصنف سید ابراہیم سندی نے لکھا ہے کہ شیخ محمد معروف برہانپوری کے بزرگان سلف شادی آباد عرف مانڈو ملک مالوہ سے برہانپور تشریف لائے اور وہیں بود و باش اختیار کی اور شیخ محمد معروف ولد شیخ عارف کی ولادت شہر برہانپور ہی میں ہوئی"[1]

تعلیم

گلزار اعظم میں لکھا ہے کہ رونق نے بچپن میں مولوی محمد اسمعیل اور مولوی حاجی محمد مقیم صاحب سے درسیہ کتابیں قطبی تک نکالیں، اور فارسی کی متداولہ کتابیں غلام محی الدین معجز سے پڑھیں جو اس زمانہ میں فارسی کے بہت بڑے محقق مانے جاتے تھے۔ لیکن درحقیقت فارسی زبان کی انتہایانہ تعلیم انھوں نے سیر باقر آگاہ اور دیگر فضلائے اہل ایران سے حاصل کی تھی جیسا کہ آگے بیان ہوگا۔

مدراس میں شعر شاعری کے چرچے اور رونق کا شعر گوئی کی طرف میلان

یہ وہ زمانہ تھا کہ مدراس شعرائے نازک خیال، اور ہر فن اور ہر علم کے اہل کمال کا مجمع بنا ہوا تھا؛ اخلاط اربعہ کی طرح شاعری بھی ایک ضروری خلط سمجھی جاتی تھی! ستہ ضروریہ کی طرح شعر گوئی بھی ایک ضروری چیز خیال کی جاتی تھی، امیر سے لیکر غریب تک شعر کہتے تھے! یا کم از کم اس کو تفریح طبع کا ایک عمدہ مشغلہ سمجھکر اس میں دلچسپی لیتے تھے! امراء خاص اپنے اہتمام سے مشاعرہ کی مجلسیں منعقد کرواتے تھے! اور بہ شوق و رغبت اس میں شریک ہوتے تھے۔ تذکرہ گلزار اعظم ان شعراء و فضلا کا ایک عمدہ مرقع ہے جس میں ان بزرگوں کی جیتی جاگتی، بولتی چالتی، تصویریں دکھائی دیتی ہیں اور اس دور کی یاد تازہ کرتی ہیں جس میں زندہ دلی اور خوش طبعی کے ساتھ فضل و کمال بھی دوش بدوش نظر آتا ہے۔

سوسائٹی کے اس رجحان کو دیکھکر ایک ناموزوں طبع شخص کے دل میں بھی شعر گوئی کا ولولہ پیدا ہوئے

[1] افسوس ہے کہ یہ کتاب طغیانی رود موسی میں صاحب موصوف کے کتب خانہ سے تلف ہوگئی اسلئے مجھے نقل در نقل کی ضرورت پڑی!

بغیر نہیں رہ سکتا، ایسی حالت میں وہ دل جس میں شاعری کے جذبات موج زن ہوں، اور وہ دماغ جس میں ان جذبات کے ادا کرنے کی قابلیت ہو کس طرح خاموش رہ سکتے تھے۔ رونق نے شاعری سے خداداد مناسبت پائی تھی جس کے باعث میلانِ طبع نے انھیں فارسی عربی کی درسیہ کتب کی تحصیل کے ساتھ ہی بالکل ابتدائی عمر میں شعر گوئی کی طرف متوجہ کر دیا گو اُس زمانہ میں ریختہ گوئی کا رواج ہو چلا تھا اور اکثر شعرا اُردو میں شعر کہنے لگے تھے۔ اظفری جو عالمگیر کے پوتوں میں ہوتے تھے اور خاص قلعہ کے رہنے والے تھے۔ اُن دنوں مدراس میں مقیم تھے۔ اور ریختہ گوئی میں کمال رکھتے تھے انکی وجہ سے مدراس میں اکثر اصحاب کو ریختہ گوئی کا شوق پیدا ہو گیا تھا نیز میر باقر آگاہ[1] کے اُردو منظومات نے ریختہ کو بہت کچھ وقیع بنا دیا تھا۔ تاہم اردو کو وہ عروج و اعتبار نہیں حاصل ہوا تھا جو فارسی کو تھا، اُردو میں اگر اگر لوگ شعر کہتے تھے تو اس کو کوئی فن سمجھکر نہیں بلکہ محض تفنن کے طور پر اس لئے رونق نے۔ زمانہ کے عام رواج کے مطابق۔ فارسی زبان میں شعر کہنا شروع کیا، اور عمر بھر فارسی ہی میں شعر کہتے رہے۔ سنا ہے کہ اپنے پوتے حکیم الممالک حکیم عبد الباسط عشق کو اُردو اور فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے ہوئے دیکھکر فرمایا کرتے تھے۔ باسط کسی ایک زبان میں شعر کہو ورنہ دونوں میں کچے رہ جاؤگے یکا یکا ہوا کرتا ہے"

رونق ابتدا ابتدا میں میر باقر آگاہ کو اپنا کلام دکھلاتے رہے، لیکن بعد میں فصحاے عجم کے تتبع اور ذوقِ سلیم کی رہنمائی پر بھروسہ رکھا۔ آگاہ کے علاوہ انھوں نے مستند اہل زبان مثلاً مرزا صادق کوکب شیرازی[2] وغیرہم کی صحبت ایک مدت تک اٹھائی تھی جو اس زمانہ میں مدراس میں مقیم تھے۔ گلزار اعظم میں لکھا ہے کہ اُن کو اہل زبان کے روزمرہ اور محاورات کا بڑا خیال تھا، اور انکی تقلید و تتبع کے نہایت پابند تھے تذکرہ معدن الجواہر میں لکھا ہے کہ شعرائے متاخرین کے تقریباً ایک لاکھ شعر انھوں نے اپنے ہاتھ سے لکھے تھے، نوجوانی میں مطالعہ کا اس قدر شوق تھا کہ وقت کی قید نہ تھی رات دن مطالعہ میں مشغول و منہمک رہتے تھے۔ جس پر خود انکا یہ شعر

---

[1] دکن کے مشہور عالم اور باکمال شاعر جنکے مطارحات میر غلام علی آزاد کے ساتھ مشہور ہیں۔ دور اخیر میں دکن کی جتنے علما و فضلا و شعرا گزرے ہیں وہ سب آپ ہی کے فیضان کمال سے بہرہ ور اور مستفید ہوئے ہیں باوجود علم و فضل کے زہد و اتقا میں بھی مشہور تھے، اور صاحب باطن سمجھے جاتے تھے۔ مولوی محمد مرتضی صاحب نے نہایت قابلیت کے ساتھ آپکی سوانح اُردو میں لکھکر صحیفہ کے ذریعہ سے شائع کی ہے۔ ولادت ۱۱۵۸ھ میں اور وفات ۱۲۲۰ھ میں ہوئی مشتے نمونہ از خروارے یہاں آپکی صرف ایک رباعی لکھی جاتی ہے ؎ ایران بقیاس ہر سقیم الافکار، بر جان دار د بجفد جنت آثار، نشنید کہ بر طبق احادیث آدم، در ہند فرود آمد و در ایران مار،

[2] مرزا صادق کوکب شیرازی ایک فاضل شخص تھا، جو تلاش روزگار ۱۲۱۰ھ میں پھرتے پھراتے مدراس پہنچ گیا تھا نواب مدراس نے از راہ قدر دانی ساڑھے تین سو روپیہ مشاہرہ پر خدمت افتا سپرد کی، لیکن قاضی القضاۃ مستعد خاں سے بوجہ تخالف مذہبی چشمک ہو گئی مرزا نے تنگ آکر نوکری چھوڑ دی اور وطن کو واپس چلا گیا ۱۲۱۹ھ میں اسہال کبدی کے عارضہ سے انتقال کیا نستعلیق اور شفیعا بہت اچھا لکھتا تھا، کبھی کبھی شعر بھی کہا کرتا تھا۔ رونق کی زبانی اس کا ایک شعر منقول ہے جس سے اسکی اصابت فکر اور فضیلت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ وہو ہذا۔

شنگرف راخط غبار آلود دارد اندکے   خوب جلوہ نیست اما دود دارد اندکے

شاہد ہے ۵ زیخ گردش لیل و نہار یافت نجات ۶۰ چو رونق آنکہ بدل انست از کتاب گرفت

اس کا اثر ابتدا میں تو کچھ محسوس نہیں ہوا لیکن پایان عمر میں، دماغی عوارضات میں مبتلا ہو گئے تھے۔

ملازمت و دیگر حالات

بیس سال کی عمر میں، نواب عمدۃ الامرا کی سرکار میں، ملازم ہوئے۔ اس عمر میں انھوں نے فارسی زبان میں وہ کمال حاصل کر لیا اور شاعری میں اس قدر مشق بہم پہنچائی تھی، کہ نواب ممدوح نے بکمال قدردانی، امیر الملک تاج الامرا بہادر نواب محمد علی حسین خاں ماجد ولیعہد کی مصاحبت اور اتالیقی پر مامور فرمایا۔ ماجد مدراس کے امرا اور نواب زادوں میں، نہایت خوش فکر، ذہین اور طباع نوجوان گزرے ہیں، اُن کی طبیعت اور ذہن کا آدمی، خاندانِ والاجاہی میں کوئی نہیں ہوا۔ شعر شاعری میں وہ رونق کے ہمطرح تھے۔ ماجد کی استقامت طبع اور سلیقہ شاعری کے عمدہ ہونے کی ایک بڑی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ اُن کی مصاحبت میں، رونق کا سا سلیم الفکر اور مستقیم الطبع شخص تھا۔

ماجد، رونق کو بوجہ فن شعر میں اُن کی غیر معمولی قابلیت اور خداداد لیاقت کے بیحد عزیز رکھتے تھے، گھڑی بھر اپنی مصاحبت سے جدا ہونے نہیں دیتے تھے، اور ہمیشہ الطاف و عنایات اور خاص التفات فرمایا کرتے تھے۔ رونق کو بھی ان کے ساتھ بے انتہا دلبستگی بلکہ الفت و محبت ہو گئی تھی، جب عین عنفوان شباب میں ماجد کا انتقال ہو گیا، اور عنانِ ریاست ماجد کے حریفوں کے ہاتھ میں چلی گئی، تو رونق کو اس کا اس قدر صدمہ ہوا کہ وہ اپنے وطن مالوف کو چھوڑ کر، کڑپا، بلھاری، چتّور، وغیرہ مضافات مدراس کی طرف چلے گئے۔ اور ایک زمانہ تک وہیں رہے۔

اُن کے فرزند مولوی مہدی واصف لکھتے ہیں کہ ترک وطن کرنے کے بعد وہ اُس صیغہ میں ملازم ہو گئے جو یورپین افسروں کو فارسی زبان کی تعلیم دینے کیلئے قایم ہوا تھا۔ ان سے تعلیم پائے ہوئے افسروں میں سے ایک سر ٹامس منرو بھی ہیں جو مدراس کے مشہور گورنر گزرے ہیں۔ اس خدمت کے بعد گورنمنٹ کا صیغہ انشا ان کے سپرد ہوا۔ گورنر مدراس کی جانب سے نوابوں اور امرا کو جو خطوط بھیجے جاتے تھے وہ رونق ہی کے قلم سے نکلتے تھے۔

سفر حیدرآباد

مدت مدید تک باہر رہنے کے بعد وہ دوبارہ ایک بار مدراس آئے۔ یہاں آکر انھوں نے دیکھا کہ تختہ کا تختہ بدل گیا ہے، اور وہ اگلا سا نقشہ ہی نہیں رہا بعض قدیم دوست اب بھی موجود تھے امیر کبیر میر مبارک اللہ خاں راغب صاحب فراق زمانہ و رونق کے اوائل عہد کے دوست تھے، وہ بڑے تپاک سے ملے، اور جب تک رونق مدراس میں مقیم رہی خاطر و مدارات کرتے رہے، اور قدیم مراسم میں، امتداد زمانہ کی وجہ سے سرمو فرق نہیں آنے دیا۔ تاہم مدراس رونق کیلئے انقلاب سلطنت و رائین سلطنت کے باعث بالکل اجنبی شہر بن گیا، اس لئے انھوں نے حیدرآباد کا رخ کیا، اور اپنے بڑے فرزند مولوی غلام زین العابدین صاحب کے پاس چلے گئے، اور عرصہ دراز تک وہیں عزلت گزیں رہے۔ اُس وقت اُن کی عمر ستر سال کی تھی۔

معاودت بمدراس و شرکت مشاعرہ اعظم

اقامت حیدرآباد کے زمانہ میں وہ دو تین بار، دوستوں کی ملاقات کے لئے مدراس گئے اور آئے سنہ ۱۲۶۰ھ میں جبکہ اُن کا سن شریف چوہتر سال کا تھا،

بعض احباب کے اصرار سے وہ پھر ایک بار مدراس گئے۔ یہ زمانہ غلام غوث خاں اعظم کا تھا۔ نواب موصوف شعر شاعری سے خاص دلچسپی رکھتے تھے، اُن کے دربار میں شعرا کی بڑی آؤبھگت ہوتی تھی، نیا نیا شوق تھا، مشاعرۂ اعظم کے نام سے ایک مجلس قایم کی تھی۔ جس میں نامی گرامی کہنہ مشق شعرا کی باریابی ہوتی تھی، نو مشقوں کو اس محفل میں جگہ نہیں دی جاتی تھی۔ رونق اس دفعہ جب مدراس گئے تو افضل الشعرا شیریں سخن خاں راقم میر مشاعرہ نے، اُنکی تقریب کی اور وہ مشاعرۂ اعظم میں داخل ہوگئے اور ان کی تنخواہ بھی مقرر ہوگئی۔ تذکرہ گلزار اعظم کی تصنیف کے وقت جس کو نواب موصوف کے نام سے، راقم نے تالیف کیا ہے، رونق سے بہت مدد لی گئی ہے۔ کئی شعرا کے حالات رونق کی زبانی منقول ہیں۔ اُن کے مدراس بلائے جانیکی ایک بڑی وجہ یہ بھی بتائی جاتی ہے کہ تذکرہ کے لکھنے میں اُن مدد لی جائے، کیونکہ معمر ہونے کے باعث، بہت سے حالات ان کو چشم دید معلوم تھے

وفات اس زمانہ میں رونق نے، پیرانہ سری اور دماغی عوارضات کی وجہ سے شعر شاعری یکلخت ترک کردی تھی، اور دنیاوی تعلقات بھی منقطع ہوگئے تھے، ہمیشہ گوشہ نشیں اور یاد الٰہی میں مصروف رہتے تھے، چنانچہ اسی حال میں، چند سال گزرنے کے بعد مدراس ہیں، انتقال فرمایا۔ سن وفات ٹھیک معلوم نہیں ہوسکا۔

شکل و شمائل نہایت سرخ و سپید، وجیہ، متوسط القامت اور بھاری بھرکم تھے۔ عمامہ باندھتے اور قبا پہنتے تھے، شطرنج کے نہایت دلدادہ تھے، جب کبھی کھیلنے بیٹھ جاتے تو دنیا و مافیہا کی خبر نہیں رہتی تھی۔ فرمایا کرتے تھے کہ اس کا شوق میری اولاد میں بھی منتقل ہوگا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ خط شفیعا شکستہ آمیز تھا۔ طبیعت حق گو اور آزادی پسند، واقع ہوئی تھی جیسا کہ اپنے ایک شعر میں بیان فرماتے ہیں

حرف حق گویم و اندیشہ ندارم از کس　　　داد منصور خلافت بسر دار مرا

مال و دولت اور جاہ دنیوی کو ہمیشہ ہیچ سمجھا اور کبھی اس کے حاصل کرنے کیلئے خودداری اور حریت کو ہاتھ سے نہیں دیا۔

اولاد ایک لڑکیاں اور چار لڑکے یادگار چھوڑے۔ لڑکوں میں خلف اکبر نواب غلام زین العابدین خان مرحوم ریاست حیدرآباد میں مناصب جلیلہ پر فائز رہے اور جاہ دنیوی کے اعتبار سے خاص شہرت رکھتے ہیں۔ جنکی باقیات الصالحات کے منجملہ ان ایک پوتے مولوی محی الدین علیخاں صاحب بی۔ اے بیرسٹر ایٹ لا اس وقت ضلع پربھنی کے اول تعلقدار ہیں۔

دوسرے فرزند مولوی مہدی واصف جو تبحر علمی اور کثرت تصانیف اور السنہ مختلفہ کے زباندان ہونے کے لحاظ سے نہایت ممتاز ہیں، ان ہی کے احفاد میں احقر کے والد ملا عبد القیوم صاحب مرحوم ہوتے ہیں جنکی ملکی اور اسلامی خدمات سے ہندوستان کی پبلک اچھی طرح واقف ہے۔ اب واصف کی زندہ یادگاروں میں جو خاص خصوصیات سے ممتاز ہیں۔ ایک میرے حقیقی تایا مولوی عبد الحی صاحب وظیفہ یاب دوم تعلقدار ہیں جو فارسی شاعری میں اس خاندان کی بہترین نشانی ہیں اور فن تاریخ گوئی میں اپنی آپ نظیر ہیں، دوسرے میرے چچا مولوی عبد القادر صاحب سابق صوبہ دار گلبرگہ

ہیں جنکو خدا نے خاص پولیٹکل دماغ عطا کیا ہے اور جنھوں نے محض اپنی قابلیت سے ابتدائی مدارج طے کرتے ہوئے اعلیٰ ترین خدمات تک عروج حاصل کیا۔ خدا ان بزرگواروں کو سلامت باکرامت رکھے۔

تیسرے فرزند مولوی حمید الدین صاحب مرحوم جو خوش نویس تھے ان کے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ چوتھے حافظ رشید الدین صاحب یہ بھی لاولد فوت ہوئے۔

اصناف کلام میں مہارت اور مختلف تذکروں کی رائے انکی شاعری کی نسبت

رونق کے حالات زندگی میں، سوائے فارسی شاعری کے کوئی جسیم بالشان کارنامہ نہیں ملتا، سوائے ایک دیوان کے، انھوں نے تصنیف و تالیف فرماتے تھے کہ عجب العجاب مؤلفہ تمنا اورنگ آبادی میں لکھا ہے کہ رونق نے ایک مختصر تذکرۃ الشعرا بھی تصنیف کیا تھا۔ پہلے زمانہ میں رواج تھا کہ ہر ایک پختہ مشق شاعر دیوان کی ترتیب کے ساتھ ہی ایک تذکرہ بھی مرتب کیا کرتا تھا جس میں شعرائے متقدمین کا کلام، اور معاصرین کے حالات اور ان کے اشعار اپنی پسند اور مذاق کے بموجب انتخاب کئے جاتے تھے۔ ممکن ہے کہ رونق نے بھی کوئی تذکرہ لکھا ہو، مگر اسکا پتہ کسی اور تذکرہ میں نہیں پایا گیا اور نہ عجب العجاب میری نظر سے گذری قاسم بیگ اور سرفراز حسین خاں قاری دو بھائی تھے جن سے رونق کو دلی محبت تھی۔ یہ دونوں دریا میں ڈوب کر فوت ہوئے تھے۔ رونق نے اول الذکر کے مرثیہ میں سیلاب غم اور ثانی الذکر کے مرثیہ میں گرداب غم نامی دو مثنویاں لکھی تھیں۔ اب یہ مثنویاں تو درکنار ان کے اشعار بھی کہیں دیکھنے میں نہیں آتے۔ ان کی نسبت معدن الجواہر میں یہ ریمارک ہے: "بہ فیض طبع روان خیلے پرسوز گفتہ"۔

رونق کو انواع سخن میں، دستگاہ کامل حاصل تھی، ہر صنف کو استادانہ کہتے تھے، افسوس ہے کہ ان کے قصاید دو سے زیادہ دستیاب نہیں ہوسکے مگر غالباً ان کے قصاید کا ذخیرہ غزلیات سے کچھ کم نہ ہوگا مولوی نجم الدین حسن صاحب افضل مرحوم اپنے والد شیریں سخن خاں راقم سے نقل فرماتے تھے کہ رونق نے اکثر جلسوں میں زور وشور کے قصیدے ارتجالاً کہے تھے۔ اس قول کی تصدیق گلزار اعظم سے بھی ہوتی ہے چنانچہ اس میں لکھا ہے: "بارہا در محافل کثیرہ شعر بدیہی میگفت و گوہر سخن بمثقب قلم شتابی رقم می سفت"۔

گلزار اعظم میں ان کے کلام کی نسبت لکھا ہے: "در انواع سخن قدرت تامہ می داشت و ہر یکے را بکمال خوبی می نگاشت معدن الجواہر میں مولوی مہدی واصف لکھتے ہیں: "رونق قصیدہ وغزل ومثنوی پاکیزہ می گوید و بر فصاحت وخوبی بیان خود نازشہا داشت، حقیر ہم نہ از روے فرزندی بلکہ از روے انصاف براین امر شاہد عادلم"، بینش لکھتے ہیں: "شعرش سادہ و پرکار و او نزد اہل انصاف بملک الشعرائی سزاوار"۔

ملک الشعرائی کا خطاب

میں نے اپنے والد ملا عبد القیوم صاحب مرحوم اور نیز دوسرے بزرگوں کی زبانی سنا ہے کہ رونق کو، نواب کی طرف سے، ملک الشعرائی کا خطاب بھی ملا تھا، اور وہ شہر استاد تسلیم کئے جاتے تھے، لیکن تذکرہ گلزار اعظم اور صبح وطن میں اس کو کوئی

ذکر نہیں ہے۔ البتہ تذکرہ بینش میں اُن کی شاعری کی نسبت جو ریمارک کیا گیا ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عموماً اپنے منصف مزاج ہمعصروں کے نزدیک خطاب ملک الشعرائی کے سزاوار و اہل سمجھے جاتے تھے۔ ممکن ہے کہ نواب عمدۃ الامرا کی سرکار سے انھیں ملک الشعرائی کا خطاب ملا ہو، چونکہ بہت جلد نواب ممدوح کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا اور اُن کے فرزند ارجمند ماجد بھی عین عالم جوانی میں انتقال کر گئے اور رونق بھی دربار سے علیحدگی اختیار کر کے مضافات مدراس میں چلے گئے۔ اور بعد میں جو لوگ تخت کے وارث ہوئے وہ ماجد کے خاندان سے چشمک رکھتے تھے، اور ان کے وابستگوں اور ہوا خواہوں کو بھی نظر سے نہیں دیکھتے تھے، اس لئے یہ امر بالکل قرین قیاس ہے کہ رونق کا یہ خطاب بعد میں تسلیم نہ کیا گیا، چونکہ رونق کی شاعری اور ان کے فرزند مولوی مہدی واصف کا ذوق سخن عموماً شعرائے مدراس کے برخلاف تھا اور نواب غلام غوث خاں اعظم اور ان کے استادوں کے کلام پر واصف نے نہایت دلیری اور بیباکی سے نکتہ چینیاں کی تھیں، بنابریں اگر مصنف صبح وطن و گلزار اعظم نے رونق کے خطاب کو تسلیم اور اس کا ذکر اپنے تذکرہ میں نہ کیا ہو تو کوئی تعجب خیز امر نہیں ہے۔

کلام پر تبصرہ

حالات مذکورۃ الصدر سے، واضح ہے کہ رونق کو مثل اُن کے فرزند مولوی مہدی واصف کے، تالیف و تصنیف کا شوق نہیں تھا، اور غالباً انکی عربی استعداد بھی معمولی تھی۔ لیکن فارسی زبان اور فارسی شاعری میں وہ اپنے زمانہ کے محقق اور شہر اُستاد تسلیم کئے جاتے تھے، ایک زمانہ تک انھوں نے اہل زبان کی صحبت اُٹھائی تھی، اور محاورات فارسی کی تحقیق میں، ان کے تبحر اور کمال فضیلت کی شہادت، مدراس کے اکثر تذکرے دیتے ہیں۔ اُن کے کلام سے خود اس امر کا پتہ لگتا ہے کہ فارسی لٹریچر میں انکی معلومات نہایت وسیع تھی، اور اہل زبان کے روزمرہ اور محاورہ پر اُن کو پورا عبور تھا چنانچہ غزلیات میں، جابجا، انھوں نے اپنے کلام کی پختگی، اور مضمون آفرینی کے ساتھ، سلاست اور روانی اور بیساختگی پر فخر کیا ہے، چنانچہ کہتے ہیں ؎ بہ پختگی کلامت نمی رسد فکرے، معاصران تو رونق خیال خام کنند، ایک اور جگہ فرماتے ہیں ؎ مدہ تشبیہ شعرکسے نسبتے مرا رونق، کلام من زندائی سرش می گوید اس میں شک نہیں کہ ایک ایسے زمانہ میں، جبکہ فارسی شاعری، سوائے لفاظی اور خیال بندی کے کچھ نہیں رہی تھی، اور دور از کار استعارات، نامانوس تراکیب، مغلق و پر از تعقید اسالیب، کو مایۂ ناز سمجھا جاتا تھا، اور ناصر علی اور بیدل کی تقلید کو، سرمایۂ افتخار اور معراج کمال خیال کیا جاتا تھا، ایک شخص کا اپنی سوسائٹی کے برخلاف آواز نکالنا، اور ان کے عام رجحان کے خلاف ایک الگ روش اختیار کرنی، اور اس گروہ کی مخالفت کرنی جس میں انکو سرخروئی اور بلند نامی، حاصل کرنی تھی، بالکل تعجب انگیز بات ہے، اور اس کی سلامتی طبع کا پتہ دیتی ہے، اور اس امر کو ظاہر کرتی ہے کہ فطرت نے اس کا سلیقہ درست اور صحیح بنایا تھا اور اسکی طبیعت کا سانچہ استقامت و راستی پر ڈھالا گیا تھا۔

شاعری اور مصوری دونوں، ایک قبیل سے ہیں۔ فرق اتنا ہے کہ مصوری میں کسی شے کی تصویر رنگ و روغن سے کھینچی جاتی ہے اور شاعری میں، الفاظ کے ذریعے سے جس طرح ہزاروں لوگ تصویر کھینچتے ہیں لیکن جو چیز تصویر کی جان ہے وہ ان کے قلم میں نابود ہوتی ہے۔ اسی طرح بہتیرے لوگ شعر کہتے ہیں مگر شعر کی روح رواں ان کے کلام میں مفقود ہوتی ہے۔ فارسی شاعری کے اخیر دور میں یا تو شاعری کی حقیقت کو نہ سمجھ کر یا اس وجہ سے کہ متقدمین تمام نیچرل اسالیب برت چکے تھے اور اپنے پیچھے آنے والوں کے لئے کوئی ایسا اسلوب باقی نہیں رکھا تھا جس سے کوئی کیفیت اور حالت نیچرل طور سے نئے اسلوب اور نئے پیرایہ میں، ظاہر کی جا سکے۔ متاخرین نے ایک ایسا طرز اختیار کیا جو اگرچہ بظاہر جدت نما تھا، لیکن اصول شاعری کے بالکل برخلاف بلکہ اسکے ارکان کو منہدم کر ڈالا تھا۔ بیدل اور ناصر علی اس طرز کے مکمل کرنے اور ترقی دینے والے سمجھے جاتے ہیں یہ طرز ہندوستان میں بوجہ اپنی جدت کے عموماً مقبول ہو گیا۔ علی العموم تمام شعرائے ہند (الا ماشاء اللہ) جنکو مبدء فیاض سے ذوق سلیم عطا ہوا تھا، اسی ڈگر پر چلنے لگے۔ جیسا کہ مشہور ہے کہ جب کوئی فن اپنے موضوع پر قایم نہیں رہتا تو اسکی ترقی رک جاتی اور وہ زوال پذیر ہو جاتا ہے۔ اس طرز کو اختیار کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ فارسی شاعری کی ترقی رک گئی اور اس روش چلنے والوں نے اس میں کوئی مفید اضافہ تو درکنار، اس کو اپنے مرکز پر بھی قایم رہنے نہیں دیا جس کی وجہ سے شاعری جو فنون لطیفہ میں شمار کی جاتی تھی، ڈھکوسلہ سازی اور تک بندی ہو گئی۔ بیدل اور ناصر علی نے اپنی روش خاص میں جو شعر کہے ہیں۔ وہ بوجہ کثرت تشابیہ اور استعارہ در استعارہ ہونے کے اس قدر گنجلک اور مغلق ہیں کہ نہ ان کا کوئی معنے معین کیا جا سکتا، اور نہ سننے اور سمجھنے والے کو یہ اطمینان ہو سکتا ہے کہ شعر کے وہی معنے ہیں جو اس نے سمجھے ہیں یہی وجہ ہے کہ اہل زبان بیدل اور ناصر علی کی شاعری کو نہیں مانتے صاحب آتشکدہ آذری ناصر علی کی نسبت لکھتا ہے کہ ان بزرگوار کے کلام میں بوجہ کثرت تشابیہ کے کوئی معنی معین نہیں کیا جا سکتا۔ موم کی ناک ہے کہ جدھر چاہا موڑ دی۔ ایک اردو شاعر نے اس طرز کے شعرا کا اشعار ذیل میں خوب خاکہ اڑایا ہے ؎

اگر اپنا کہا تم آپ ہی سمجھے تو کیا سمجھے | مزا کہنے کا جب ہے اک کہے اور دوسرا سمجھے
کلام میر سمجھے یا زبان میرزا سمجھے | مگر انکا کہا یہ آپ سمجھیں یا خدا سمجھے

قرب عہد کی وجہ سے مدراس کے اکثر شعرا نے بیدل اور ناصر علی کا رنگ اختیار کر رکھا تھا سوا معدودے چند اہل سخن کے عموماً تمام کے خیالات میں وہی بیدلیت، طرز بیان میں وہی اغلاق اور اسالیب کلام میں وہی گنجلک نظر آتی ہے جو خیال بندوں کا خاصہ ہے۔

لیکن رونق نے اپنے ہمعصروں کی طرح یہ روش اختیار نہیں کی۔ جس کا محرک یا تو محض انکا ذوق سلیم تھا جو قدما کے کلام کو مطالعہ کرنے سے انکی طبیعت میں راسخ ہوا تھا۔ یا ان فضلائے ایران کی فیض صحبت کا نتیجہ تھا جو حسن اتفاق سے ان دنوں، مدراس میں، اقامت گزیں تھے رونق ہی کی تربیت و تعلیم کا اثر تھا کہ مهدی و اصف بھی اس رنگ میں شعر کہنے سے بچتے تھے اور اس طرز کو نام دھرتے تھے۔ باپ ہی کے خیالات کا پرتو تھا کہ بیٹے نے اپنے تذکرہ میں جا بجا ناصر علی کے کلام پر نہایت آزادی سے نکتہ چینی و خردہ گیری کی ہے، اور معاصرین کو زمرہ اور محاورہ کی پابندی، اور بجائے بیدل و ناصر علی کے اہل زبان

کے تتبع کا مشورہ دیا ہے اسی بنا پر اُن میں اور اُن کے معاصرین میں نوک جھوک ہوتی رہی اور یہ ایراد و اعتراض کا معرکہ گرم رہا جسکی تفصیل گلزار اعظم سے واضح ہوگی۔

دیوان رونق میں ایک غزل ہے جس میں رونق نے خیال بندوں کے طرز کی مذمت کی ہے بمناسبت مقام ہم اس غزل کو بتمامہ درج ذیل کرتے ہیں جس سے ناظرین طرز سخنگوئی کے متعلق ان کے خیالات کا بخوبی اندازہ کرسکیں گے:

صاف بندی ست خوبی اشعار | خاک بر فرق وقت گفتار
دیدنِ صاف و دُردِ می این رمز | میکند بر دقیق گو اظہار
لیک آن را لطافتے باید | ورنہ زان گفتگوست لازم عار
کن نگہ اے دقیقہ بند سخن | در کلام زلالی خوانسار
فہم مضمون اوست بس مشکل | گشت تشخیص معنیش دشوار
وقت شعر بودہ مرغوبم | کرد ماجد مرا ازین بیزار
مختلف شد مزاجہا رونق | چہ ضرورست این قدر انکار

اس غزل کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا ابتدا میں یہ بھی دقت و اشکال کو پسند کرتے تھے اور **ناصر علی** اور **بیدل** کے ہمنوا و ہمصفیر تھے، لیکن **محمد علی حسین خاں ماجد** کی طرز شاعری اور ذوق سخنگوئی نے، انکو اس روش کے چھوڑنے پر مجبور کیا، مگر اس سے یہ خیال نہیں کیا جاسکتا، کہ **ماجد** کا رتبہ شاعری میں **رونق** سے بڑھا ہوا تھا، یا انھوں نے **رونق** سے فن شعر میں کوئی استفادہ نہیں کیا، گو تمام تذکروں میں **ماجد میر باقر آگاہ** کے شاگرد بتائے جاتے ہیں، لیکن یہ بخوبی ثابت ہے کہ **آگاہ** نے جب ناراض ہوکر **ماجد** کی اصلاح موقوف کردی تھی تو وہ **رونق** ہی سے مشورہ لیا کرتے تھے اور ان ہی کو اپنا کلام بتاتے تھے۔ چنانچہ **گلزار اعظم** میں لکھا ہے: "زفکر سخن ہم بطرز اینان (یعنی متاخرین) بمطرحی **عارف الدین خاں رونق** اختیار نمود" "**معدن الجواہر**" میں لکھا ہے: "بنا بر ترقی ذہنیش افصح الفصحا، امام الشعرا نواب **تاج الامرا بہادر** مرحوم مامور گشتہ بسبب کمالے کہ درین فن داشت مقبول خاطر دریا مقاطر نواب ممدوح گردید و با وعلی الدوام ہنگامہ صحبت و مجلس مشاعرہ گرم میداشت" واصف اسی تذکرہ میں **ماجد** کی شاعری کے اسباب ترقی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "صحبت پدر بزرگوار اعنی **عارف الدین خان رونق** کہ سراج منیر بزم سخنوری ست دریافت در کمتر فرصتے ترقی نمایاں کرد" اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ استاد اپنے لائق شاگردوں کے مشورہ سے مستفید ہوتا ہے اور انکے ساتھ مساوات کا برتاؤ رکھتا ہے۔ اس سے اسکی استادی اور کمال پر حرف نہیں آسکتا بلکہ اسکی منصف مزاجی اور تواضع و انکسار کا ثبوت ملتا ہے۔ مشہور ہے کہ **نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ**، **غالب** مرحوم سے اصلاح لیا کرتے تھے اور **مومن خان** کے بعد ان ہی کو اپنا کلام بتاتے تھے، لیکن **غالب** انکی شان میں فرماتے ہیں ؎

غالب بفنِ گفتگو ناز د بدیں ارزش کہ او | ننوشت در دیوان غزل تا مصطفیٰ خاں خوش نکرد

مرزا غالب کے بعض قصاید میں شیفتہ نے الفاظ بدل دئے تھے، چونکہ اصلاح صحیح تھی اس لئے مرزا کی سلامتی طبع نے اسکو تسلیم کر لیا یہی حال رونق اور ماجد کا سمجھنا چاہئے۔

اُن کے دیوان میں ایک اور غزل ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ نری صاف گوئی کو کافی خیال نہیں کرتے بلکہ کلام کی عمدگی اور برتری کے لئے ضروری سمجھتے ہیں کہ بے تکلفی اور برجستگی کے ساتھ شعر میں کچھ نہ کچھ بات بھی پیدا کی جائے۔ درحقیقت جس شعر میں صفائی بیان کے ساتھ لطف مضمون بھی ہو اس کو شعر نہیں سحر کہنا چاہئے۔ حسن معنی اور خوبی ادا کے علاوہ الفاظ کی روانی اور سلاست بھی اگر جمع ہو جائے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ شعر میں جان پڑ جاتی ہے؛ اور درحاصل ایسے ہی کلام پر شعر کا اطلاق صحیح ہو سکتا ہے، اور ایسے ہی کلام کی نسبت کہا گیا ہے ان من البیان لسحرا۔ ایسا شعر جس سے سوائے دندانِ تو جملہ در دہانند کے اور کچھ مفہوم نہ ہو کلام منظوم سے زیادہ وقعت نہیں رکھ سکتا۔ غزل مذکور کے چند شعر مناسبت مقام لکھے جاتے ہیں۔

بے تکلف گر بود در شعر سامانِ تلاش	پیشِ اربابِ سخن باشد ہماں جانِ تلاش
بر فصاحت ہائے شعر ماست ایمانِ تلاش	معنیٔ برجستۂ ما بے سخن جانِ تلاش
بسکہ دارم جستجوئے معنیٔ رنگیں بدل	از بہارِ فکرِ تم خرم گلستانِ تلاش
جیب و داماں نگہ لبریزِ گوہر میکند	کلکِ گوہر بارِ من گردید نیسانِ تلاش
بسکہ در شعرم بود رونق لطافت بیشمار	کردہ ہر بیتم نہاں در خویش دیوانِ تلاش

موجودہ دیوان عالم جوانی کا کلام ہے

والد مرحوم* کی زبانی منقول ہے کہ یہ دیوان ان کے ابتدائی زمانہ کا کلام ہے۔ پایانِ عمر کا کلام یا تو جمع نہیں ہوا یا تلف ہو گیا۔ یہ روایت ایک حد تک صحیح معلوم ہوتی ہے کیونکہ تذکرۂ صبح وطن سے جس قدر غزلیں نقل کی گئی ہیں، ان میں کوئی بھی دیوان میں موجود نہ تھی اور گلزارِ اعظم اور معدن الجواہر میں بہت سے ایسے شعر نظر آئے جو اصل نسخہ میں درج نہ تھے۔ تذکرۂ صبح وطن کی منقولہ غزلوں کو دیکھنے سے معلوم ہوتا کہ انکی پایانِ عمر کے کلام میں ایک خاص پختگی اور روانی اور صفائی ہے جو موجودہ دیوان میں کم نظر آتی ہے۔ ان تمام غزلوں میں اکثر و بیشتر اخلاق و تصوف اور وعظ و نصیحت کے مضامین باندھے گئے ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ عہدِ پیری کا کلام ہے جبکہ دنیاوی تعلقات منقطع ہو گئے تھے اور گوشہ نشینی اور عزلت گزینی کی وجہ سے مضامین کی تراوش کی ایک خاص انداز میں ہوتی تھی اور کہنہ مشقی کے سبب سے کلام نہایت صاف اور ہموار ہو گیا تھا۔ ان کے قصیدہ کے ایک شعر سے بھی یہ مفہوم ہوتا ہے کہ انکا بہت سا کلام ضائع ہو گیا اور اسکو جمع کرنے کی نوبت نہیں آئی چنانچہ لکھتے ہیں ؎

بفنِ نظم نمودہ ست گرچہ عمرے صرف	ز دستِ جورِ فلک جملہ محو و نسی شد

* مولوی عبد العلی صاحب والد فرزند مولوی مہدی واصف جو اس زمانہ میں فارسی زبان کے بہت بڑے محقق و باکمال شاعر گزرے۔ آپ کا کلیات نظم و نثر چھپکر شائع ہو چکا ہے۔

کلام کی خصوصیات

ان کے کلام کی مہتم بالشان خصوصیت بتفصیل اوپر بیان کی جاچکی ہے، اس لئے یہاں اس پر زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ آیندہ جن خصوصیات پر بحث کی جائیگی اور مثیلاً جس قدر اشعار پیش کئے جائینگے وہاں ضمناً صفائی اور سلاست بیان کے لحاظ سے بھی نظر ڈالنی چاہئے کہ وہ ان کے کلام سے اُسی طرح جدا نہیں ہوسکتی جیساکہ ناخن گوشت سے۔

اس دیوان میں جسقدر غزلیں ہیں وہ باکثر مشاعروں کی طرحی غزلیں ہیں۔ شاعر ہو یا مصنف از خود کسی عنوان پر جس عمدگی اور خوبی سے لکھے گا وہ فرمایش پر نہیں لکھ سکتا۔ اپنی خواہش اور ارادے سے وہ جو کچھ لکھتا ہے اس میں جوش اور مضامین کی آمد اسکی مدد کرتی ہے۔ لوگوں کی فرمایشات کی تعمیل میں جو کچھ لکھا جاتا ہے اس میں آورد اور بناوٹ اور تکلف اور تصنع سے کام لیا جاتا ہے اور جس طرح بن پڑے کام کو ٹالا جاتا ہے اس لئے اکثر دیکھا گیا ہے کہ مشاعروں کی غزلوں میں وہ بات نہیں رہتی جو شاعر کی اپنی طبیعت سے لکھی ہوئی غزلوں میں ہوتی ہے۔ بسا اوقات اسکو سننے والوں کے خوش کرنے اور اُنکی واہ واہ سننے کے لئے اپنے جادہ سے ہٹ کر چلنا پڑتا ہے۔ لہٰذا کسی مصنف یا شاعر کے کلام کا اصلی زور، اُسکی طبیعت کا انداز، اسکے قلم کی جولانی دیکھنی ہو تو اوریجنل تصانیف ہیں۔ ایسے میدان میں دیکھنی چاہئے جہاں اُس کا اشہب قلم بالکل مطلق العنان ہو، اور اسکی طبیعت کسی فرمایش کرنے والے کی قرمایش اور کسی ستایش کرنے والے کی ستایش کی پابند نہ ہو۔ یہ بات دیوانِ رونق میں مشکل سے نظر آئیگی۔ کیونکہ اس میں اکثر وہی غزلیں ہیں جو مشاعروں کے لئے لکھی گئی ہیں۔ علاوہ بریں ایک اور خرابی یہ ہے کہ اُنکی زمینیں ایسی مشکل ایسی سنگلاخ اور دشوار گزار ہیں انکو طے کرتے ہوئے اچھے سے اچھے پختہ مشق اور کہن سال شاعر کا قدم بھی ڈگمگائے بغیر نہیں رہ سکتا اور ان میں کوئی چبھتا ہوا شعر نکالنا اور کسی دلکش و دلنشین مضمون کا نظم کرنا ایسا ہی مشکل ہے جیساکہ ہتیلی پر سرسوں جمانا یا پتھر میں سے درخت اُگانا۔ ایسی زمینوں میں ایک بڑے سے بڑے استاد کا کمال یہ ہے کہ قافیہ اچھی طرح بندھ جائے اور مضمون ردیف کے ساتھ بندھ جائے۔ ایسے شعر جنکی بنست صاحب آتشکدہ آذری بدل نشتر زند کہتا ہے اس قسم کی طرحوں میں نکالنا نہ صرف دشوار بلکہ قریب بمحال ہے۔

رونق کی وہ غزلیں جو سہل اور آسان زمینوں میں لکھی گئی۔ غزلیت کے لحاظ سے بہ نسبت اُن غزلوں کے جو سنگلاخ زمینوں میں لکھی گئی ہیں زیادہ بلند پایہ ہیں۔ ایک رونق پر کیا موقوف ہے وہ تمام شعرا جنھوں نے زمین شعر کو آسمان پر پہنچا دیا دشوار اور دور از کار قوافی سے ہمیشہ احتراز کرتے رہے اور کبھی اس خار دار جھاڑی میں اپنے دامن فکر کو نہیں الجھایا۔

تشبیہ و استعارہ کا استعمال

چونکہ رونق نے اپنے کلام میں تشبیہ و استعارہ کو نہایت کثرت اور عمدگی کے ساتھ استعمال کیا ہے اور اس کے ذریعے سے سخت اور دشوار گزار زمینوں میں فرایض شاعری کو، بہت خوبی سے انجام دیا ہے اسلئے ان کے کلام میں، قلت مضامین کی شکایت نہیں کی جاسکتی۔ شاعر کا بہت بڑا ہتیار جس سے وہ اقلیم شاعری فتح کرسکتا ہے تشبیہ و استعارہ ہے؛ اسکی قوت تخیل اور پرواز فکر کا ثبوت

جس قدر تشبیہات کے استعمال سے مل سکتا ہے ویسا کسی اور چیز سے نہیں مل سکتا، جذبات اور حالات کی تصویر کھینچنے میں جس قدر یہ اوزار کام دیسکتا ویسا کوئی اور شئی نہیں دے سکتی۔ دیوان رونق میں اسکی کثرت سے نظیریں ملیں گی۔ جن قوافی میں خیال ہوتا ہے کہ ردیف کے ساتھ ان کا نباہ نہیں ہو سکتا۔ وہ اُن کو ایک پیش پا افتادہ تشبیہ سے ایسا دلکش و دلآویز بنا دیتے ہیں کہ شعر میں جان پڑ جاتی ہے۔ دیوان میں ایک غزل ہے "زار زار گریہ کنم بے اختیار گریہ کنم" اس زمین میں ظاہر ہے کہ سوار، شرار، خمار کے قوافی ایسے نہیں ہیں کہ ہر شخص شاعرانہ اسلوب کو مدنظر رکھکر، صفائی سے باندھ سکے مگر رونق نے انکو جس طرح نظم کیا ہے وہ قابل ملاحظہ ہے:

گرہ شود چو تباشیر اشک در قطرہ ام — اگر بہجرت آن نیسوار گریہ کنم
بہ عشق شعلۂ رویش زبسکہ لبریزم — بسان شیشۂ آتش شرار گریہ کنم
زشوق نرگس مخمور ساقی گلفام — برنگ شیشۂ خالی خمار گریہ کنم

ایک اور زمین ہے "خار آتشناک بہار آتشناک"، اس میں بعض شعر لکھے ہیں:

دریں چمن نبود لالہ زار آتشناک — سپردہ اند دل داغ دار آتشناک
شب فراق تو اسباب عیش آزاریست — بدیدہ شمع بود مثل خار آتشناک
بغیر سیل سرشکے کہ دارد آتش آہ — ندیدہ ایم دگر آبشار آتشناک

ان ہی زمینوں پر موقوف نہیں ہے، ان کے دیوان میں، ہر جگہ اس صنف کا استعمال نہایت کثرت کے ساتھ، نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ، اور نہایت صفائی اور خوبی کے ساتھ کیا گیا ہے۔ بعض لطیف و بلیغ تشبیہیں جو عام شعرا کے ہاں کمتر دیکھنے میں آئی ہیں مثالاً درج ذیل کی جاتی ہیں۔ جن سے شاعر کی قوت مدرکہ کی رسائی اور رامیا جنبش کی بلند پروازی کا ثبوت ملیگا۔ مثلاً

اے دل زار چوں جرس بفغاں — ہمہ آواز کردہ مارا

جرس گھنٹا۔ اسکا وجود کچھ ہے آواز ہے ورنہ محض لوہے کا ٹکڑا جرس نہیں ہو سکتا۔ شاعر کہتا ہے کہ مجھ میں اس دل خانہ خراب کی وجہ سے کچھ باقی نہیں رہا ہے۔ فریاد و فغاں کی وجہ سے صرف آواز ہی آواز آتی ہے۔ اگر آواز نہیں تو سمجھو کہ کچھ بھی نہیں۔ مثال کیلئے جرس کو دیکھو کہ اسکی کائنات جو کچھ ہے محض آواز سے ہے ورنہ وہ لاشئی محض ہے۔ دل کی طرف خطاب کرنے سے ایک خاص لطف پیدا ہو گیا ہے اور جرس کیساتھ تشبیہ نام حاصل ہو گئی ہے اور یہ بھی مترشح ہے کہ فریاد و فغاں جو کچھ نکلتی ہے دل سے نکلی ہے۔

مرحبا حسن بے نقاب ازل — پردہ راز کردہ مارا

ایک نہایت وسیع مضمون کو چند مختصر الفاظ میں سمیٹا گیا ہے اور اس خوبی سے کہ نثر میں اس کی تشریح خالی از دقت نہیں۔ عارفانہ شعر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دنیا و ما فیہا ذات باری کے لئے حاجب ذات بھی ہے اور کاشف ذات بھی۔ یہ عالم گویا ایک پردہ ہے کہ اگر اسکو الٹ دیا جائے تو تجلیات الٰہی کا تماشا نظر آنے لگتا ہے اور اگر نہ اٹھائے تو کچھ نہیں۔ ذات باری درحقیقت مراتب خفا و ظہور سے برتر و بالاتر ہے جو کچھ کشف و حجاب ہے وہ ہمارے اعتبار سے ہے۔ شاعر نے "حسن بے نقاب" اور "پردہ راز" صرف

دو لفظوں سے بیان میں جو کیفیت پیدا کی ہے وہ تشریح توضیح سے ہرگز حاصل نہیں ہو سکتی۔ قریب قریب اسی مضمون کو مرزا غالب نے استفسار و استعجاب کے پیرایہ میں یوں ادا کیا ہے؎ جب وہ جمال دلفروز صورت مہر نیم روز ٭ آپ ہی ہو نظارہ سوز پردہ میں منہ چھپائے کیوں۔ اسی مضمون کو ایک دوسری غزل میں رونق نے اس طرح نظم کیا ہے؎ ہر جاست بے نقاب رخ شاہد ازل ٭ از چشم دل حجاب تو بردار اندکے۔

فراہم کردہ حسرت ہائے یک خلق ... بصحن این چمن گل نام کردند ٭

اس شعر میں مسئلہ تناسخ کی طرف اشارہ ہے۔ خیام وغیرہ نے یہ مضمون پیدا کیا ہے کہ پھول جو زمین سے اگتا ہے وہ درحقیقت کسی مہ جبیں کی شکل ہے جو انقلاب زمانہ کی وجہ سے اس طرح قالب بدلکر نمودار ہوتی ہے۔ مرزا غالب فرماتے ہیں؎ سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں ٭ خاک میں کیا صورتیں ہونگی کہ پنہاں ہو گئیں۔ لیکن غالبًا کسی شاعر نے انسان کی حسرتوں کے مجموعہ کو پھول نہیں قرار دیا، دراصل پھول کی تشبیہ پھول کی تعریف و توصیف اس سے بہتر نہیں ہو سکتی پھر جس صفائی اور خوبی سے یہ مضمون ادا کیا گیا ہے اس کے لحاظ سے اسکو نوادر افکار میں شمار کرنا مبالغہ نہ ہوگا

شرار آسا دمے فرصت ندارم ... کہ آغاز مرا انجام کردند

انسان کی بے ثباتی اور کم فرصتی کے مضمون کو اس بڑھکر زوردار الفاظ میں اور کیا بیان کیا جا سکتا ہے شرار کے متعلق شعراء نے سیکڑوں ہزاروں مضمون باندھے ہیں اور بڑی بڑی نزاکتیں پیدا کی ہیں۔ لیکن جہاں تک میرا خیال ہے شرار سے آغاز و انجام کے ایک ہونے کا ثبوت کسی شاعر نے نہیں دیا۔ یہ شعر بھی باعتبار ندرت تشبیہ کے نوادر افکار میں سے ہے۔

گریباں را عجب تسخیر دلہاست ... خطوط دست احساں دام کردند

ہاتھ کے خطوط کو دام سے تشبیہ دینی اور پھر ہاتھ کو احسان کی طرف مضاف کرکے یہ ثابت کرنا کہ معمولی اور ہر ہاتھ کے خطوط دام نہیں ہو سکتے اور دست و دام کی مناسبت، ان تمام باتوں نے شعر کو اعلیٰ مراتب بلاغت پر پہنچا دیا ہے۔

یک نفس باشد بقالب عاشق و معشوق را ... درحقیقت نالہ ہائے بلبلاں جان گل ست

شاعر عاشق و معشوق کے یک نفس و دو قالب ہونے کا ثبوت دیتا ہے اور کہتا ہے کہ بلبل کے نالے درحقیقت گل کی جان ہیں کیونکہ پھولوں کا کھلنا اور بلبلوں کا چہچہانا ایک دوسرے کے لازم و ملزوم ہیں بلبل کے نالے اگر کم ہو گئے تو سمجھ لینا چاہیئے کہ موسم بہار ختم ہو گیا۔ چونکہ آواز روح کی طرح غیر مرئی شئی ہے اور جاندار کی زندگی کی ایک علامت اسلئے نالہ کی تشبیہ روح کے ساتھ نہایت موزوں تشبیہ ہے۔ یہاں نفس کا لفظ جو لطف دے رہا ہے وہ ظاہر ہے۔ یہ غزل کی غزل لطیف و بلیغ تشابیہ سے مرصع ہے۔

ذوق اسیری از عدم آوردہ ایم آہ ... از حلقہ ہائے دام بود آشیان ما

در گلشن دنیا طرب و عیش غم افزاست ... خندیدن گل بر سر دار است بہ بینید

گل اگر دیدہ بہ لب ہائے تو وا ایستادہ ... برگ را بر لب خود دست حیا بنہادہ

غبار را نبود ایں قدر رسائی ہا — نگاہ قیس بدنبال محمل افتادست
گفتگوے واعظ بیہودہ مشنو زینہار — عالمے را می فریبد از صدا گوسالہ
ربطے چو گوہرست مرا با گریستن — ہستی من چو اشک بود تا گریستن
زاہد ملاف بیش کہ چوں گنبد فلک — عمامہ ترا ست ہمہ عذر در بغل

اس شعر کے قافیہ و ردیف قابل ملاحظہ ہیں۔ اس زمین میں ایسا شعر نکالنا پختہ مشق شاعر ہی کا کام ہے۔ مکر و عذر میں گنبد فلک کے ساتھ عمامۂ زاہد کی تشبیہ نہایت پرلطف واقع ہوئی ہے۔ ملاف کا لفظ ظاہر کرتا ہے کہ گنبد کی طرح صرف صدا ہی صدا آتی ہے ورنہ حقیقت و واقعیت سے زاہدانِ ریاکار کو کوئی سروکار نہیں۔ بغل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ زاہد اپنے مکر و عذر کو عمامہ کی تہ میں چھپائے ہوئے ہے۔

ہمچو آئینہ تصویر کہ بر دوش برند — شد زپائے دگراں صورت رفتار مرا

تمثیل تشبیہ و استعارہ کی ایک اور قسم ہے جس کا نام علمائے بلاغت نے تمثیل رکھا ہے۔ متقدمین کے ہاں یہ صنف اگرچہ خال خال نظر آتی ہے، لیکن متاخرین نے اسکو بیحد رواج دیا اور برا سے ایک علحدہ صنف قرار دی۔ اس صنف کا خاتمہ صائب اور غنی کشمیری پر سمجھا جاتا ہے۔ دور اخیر میں جس قدر شعرا گذرے ہیں انھوں نے کم و بیش اس صنف میں کچھ نہ کچھ ضرور کہا ہے۔ دیوان رونق میں اس صنف کے اشعار کثرت سے نظر آئینگے۔ چند منتخب اشعار ذیل میں درج کئے جاتے ہیں جس سے اس طرز میں ان کے زور طبیعت کا اندازہ ہو سکے گا۔

باآتشیں نفس نتواں ہمزباں شدن — گم میکند تجلی خود ماہ در سحر
اکسیر اعظم ست برنگ سپید صبح — نبگذر ز شب زیاد شود ماہ در سحر
رنگ و بوئے دگرے سید ہدت فیض سخا — شہرہ شد گل بچمن بخت چو شستہ ز خویش
گریہ چوں آید ترا از نالہ با پرہیز کن — بیشود ضبط نفس غواص را رہبر در آب
ہر کہ پاس آبرو دارد بدنیا میزد بخلق — غرق گردیدست ازیں باعث نگر گوہر در آب
بود قطع علائق عشرت افزائے دل سالک — ز بی کشتن زمے شد باعث خندیدن مینا
ہست از چارہ گری دوری رحمت مضمر — شمع فیض ست اثر دیدۂ بارانی را
بنی ہمیشہ بیخ زہر دردگان خویش — دل چاک میشود ز جفائے خدنگ شانہ
بیخ می باشد نصیب مردم صاحب کمال — بحتگی با وقف پامالی نماید دانہ را
وضع تعلیم از جفا و آموز دسختی عشق داں — چوں سرش در زیر سنگ آید کند بادام رقص

بادام کا قافیہ اس زمین میں اس سے بہتر کیا باندھا جا سکتا ہے۔ بادام جبھی وا سطے ہے کہ سوکھنے کے بعد اس میں قوت نامیہ باقی نہیں رہتی مطلب یہ ہے کہ خوے تسلیم جفا سے سیکھو اور سختی و تکلیف کو عیش و آرام سمجھو جیسا بادام جبکہ اس کا سر پتھر سے کچلا جاتا ہے تو مارے خوشی کے رقص کرنے لگتا ہے (بادام پھوڑنے کے وقت بوجہ سخت اور صاف ہونے کے اڑتا اور تڑپ کر نکل جاتا ہے۔ اس کو شاعر نے رقص مسرت سے تعبیر کیا ہے)

محاورہ گوئی چونکہ ایک مدت تک اہل زبان کی صحبت اٹھا چکے تھے، اور روزمرہ اور محاورات

کی تحقیق و تفحص میں عمر صرف کر چکے تھے۔ اسلئے جابجا محاورہ کی چاشنی اور خوبی ادا اور لطف زبان کا چٹخارہ کلام کو نہایت بامزہ بنا دیتا ہے اسکی کچھ مثالیں ذیل میں پیش کی جاتی ہیں:

حرفے از دست خویش کن سے قلمے — نیست جمعیت از زبانہا

یارب آں مارسیہ را چہ قدر باشد زہر — دست از زلف نہ بردیم کہ از کار افتاد

مصرع ثانی میں بالکل واقعہ کی تصویر کھینچ دی ہے۔

چو دید ریزش اشکم بدامن گلشن — سحاب را عرق خجلتش در آب گرفت

نگہ ز سینہ دلم بر دو ز غمزہ او — کہ طفل اشک بدنبال او شتاب گرفت

گفتمش از شورشِ مستان دماغم سرد — عشوہ در کار گرد و پنبہ بر مینا گذاشت

زاہد افسردہ را یکرہ تواں بردن ز خویش — آں نگار نازنیں را محفل آرا کردنی ست

دوش سوئے چمنے بیتو گذارم افتاد — خندہ زد گل باد ایکہ شرارم افتاد

سکے باسانی وہم از دست دامان فراق — بعد ازیں دست من و چاک گریبان فراق

یہ طرز بیان ہندی شاعر کے کلام میں کمتر پایا جائیگا۔ اس اسٹائل کو وہی شخص استعمال کر سکتا ہے جس نے اہل زبان کے تتبع و تقلید میں عمر گذاری۔

از پئے کارے اگر بیروں رود از خانہ ہا — میگریزد از درخش برق دوشادوش خلق[سلہ]

وقوع گوئی

چونکہ وہ تشبیہات کو کثرت سے استعمال کرتے ہیں اور صفائی زبان و سادگی بیان کا خاص خیال رکھتے ہیں اسلئے اس کا لازمی نتیجہ ہونا چاہیئے تھا کہ انکی طبیعت وقوع گوئی کی طرف زیادہ مائل ہوتی غزل میں کسی مسلسل مضمون کو، بہت کم شعرا نے نظم کیا ہے مگر رونق کی کئی غزلیں ہیں جس میں شروع سے اخیر تک ایک ہی مضمون نظم کیا گیا ہے۔ دیوان میں ایک غزل ہے "آغوش خلق، دوش خلق" اس تمام غزل میں، باد و باران کی کثرت اور لوگوں کی پریشانی کا فوٹو اتارا ہے۔

نواب غلام غوث خان اعظم کی تسمیہ خوانی کی تقریب میں جو قصیدہ کہا ہے اس میں شروع سے لیکر اخیر تک حالات جشن کا نقشہ کھینچا ہے، متعلقین کو جوڑوں کا تقسیم ہونا، تباسوں کا بٹنا، رنگبازی کی کیفیت، آتش بازی کا منظر، روشنی کی جگمگاہٹ، دعوتوں کی دھوم دھام، عطر، پان اور پھولوں کی بہتات اور پھر طوائف کے ناچ رنگ کا دلفریب دلربا نظارہ نہایت فصاحت و فصاحت کے ساتھ قصیدہ میں بیان کیا ہے اور کہیں شاعری کے سررشتہ کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ انکی غزلیات میں بھی ایسے بہت سے شعر نظر آتے ہیں جن میں معاملہ اور واقعہ کو نظم کیا گیا ہے بعض ممتاز اشعار ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

شبکہ گر دید مہیا انجمن شیشہ و جام — انتظارت چہ قدر خوں بدل ما می کرد

بہ محفل تو گرم رہ نہ شد ملالے نیست — ز دور بینم و باشم بر آستان محفوظ

دیگراں را کام فردا و ادا امروز از کرم — عرض امروز من بیتاب بر فردا گذاشت

سب زمانہ چو ز آہستہ گیسم — گویدم دور کہ کارے دارم

معاملہ کا شعر ہے اور جس اسلوب میں باندھا گیا ہے وہ سوائے اہل زبان یا مشاق و ماہر باندان کو دوسرا کا حصہ نہیں معشوق جا رہا ہے عاشق بنجود و بیتاب ہوکر اس کا راستہ روکتا ہے وہ جھڑک کر کہتا ہے ہٹ دور ہو مجھے اس وقت کام ہے۔ اس مختصر بحر میں اور اس قافیہ و ردیف میں یہ مضمون اس خوبی سے ادا کیا گیا ہے کہ اسکے کے لئے دوسرا اسلوب خیال میں نہیں آسکتا۔

تغزل

غزل کی بنیاد اس پر پڑی ہے کہ اس میں وہ حالات و واقعات بیان کئے جائیں جو راہ عشق میں عشاق کو پیش آیا کرتے ہیں، یہ حالات جس قدر واقعیت پر مبنی ہونگے اسی قدر دلوں پر اثر کرینگے جذبات کا اظہار نہایت مشکل کام ہے، عربی کی مشہور مثل ہے کہ "الکیفیات لا تبان" انسان پر بہت سی کیفیتیں گزرتی ہیں مگر وہ ان کو نہیں بیان کر سکتا، بہت سے جذبات طاری ہوتے ہیں مگر وہ ان کا اظہار نہیں کر سکتا بلکہ ان کو سمجھ بھی نہیں سکتا۔ ان حالات و کیفیات کو وہی شخص بیان کر سکتا ہے جو رموز عشق سے واقف ہو اور اسکے ساتھ ہی اسکی قوت بیانیہ اعلی درجہ کی ہو، اس کا تخیل نہایت بلند پرواز اور اسکی قوت نظریہ نہایت تیز ہو ایسا ہی شاعر سچا غزل گو ہو سکتا ہے اور ایسے ہی شاعر کا کلام دلوں پر اثر کر سکتا ہے۔ سعدی، خسرو، حافظ اور نظیری جو غزل کے استاد مانے گئے ہیں ان کے کلام کے دلوں پہ اثر کرنے کی بڑی وجہ یہی ہے۔ میر، جرات، غالب اور داغ پر اردو کی دنیا لوٹ ہے اسکا اصلی سبب یہی ہے۔ درحقیقت ان لوگوں نے عاشقانہ جذبات و حالات و خیالات کی تصویر جس خوبی سے کھینچی ہے اور راہ محبت میں جو معاملات پیش آتے ہیں انکو جس عمدگی سے بیان کیا ہے اس کے لحاظ سے ان کے کلام کی جس قدر بھی قدر کی جائے کم ہے۔ میرا تو خیال یہ ہے کہ مذکورہ بالا قابلیت جس شخص میں نہ ہو اسکو غزل نہیں کہنی چاہیے۔ جاری شاعری کے زوال کی وجہ اگر دریافت کی جائے تو غالباً یہی نکلے گی کہ اس میں غیر واقعیت اور تصنع اور بناوٹ کو دخل دیدیا گیا اور ایسی باتیں کہی جانے لگیں جنکی کوئی اصلیت نہیں تھی اسکا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ کلام میں اثر نہیں رہا۔ کلام اگرچہ ہر قسم کے محسنات سے مرصع بنا دیا گیا اور صنایع لفظی و معنوی میں بیحد ترقی ہوئی مگر شاعری جسد بے روح ہو گئی۔

غرض یہ کہ غزل کی صحیح تعریف یہی ہے کہ وہ عاشقانہ جذبات و حالات کی تصویر ہو لیکن بعد میں اس تعریف میں وسعت دیدی گئی اور غزل میں اور ار مضامین بھی نظم کئے جانے لگے تاہم تغزل کا اطلاق کسی ایسے شعر پر نہیں کیا جا سکتا جو ترجمان محبت نہ ہو۔

اس میں شک نہیں کہ رونق کے دیوان میں تغزل کم ہے جسکی وجہ جیسا کہ ہم اوپر بالتفصیل بیان کر چکے ہیں یہی ہے کہ اکثر و بیشتر غزلیات مشاعروں کی طرحی مصرعوں پر لکھی گئی ہیں جنکی زمین بوجہ سنگلاخ ہونے کے اس قابل نہیں ہے کہ اس میں کوئی عاشقانہ مضمون سرسبز و بار آور ہو سکے۔ لیکن کم و بیش جس قدر اشعار بھی عاشقانہ رنگ کے دیوان رونق میں پائے جاتے ہیں وہ اس امر کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں کہ شاعر کی طبیعت بلحاظ تغزل کے پست واقع نہیں ہوئی ہے۔ بعض شعر بطور تمثیل ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

در فن عشق تعطیل نمی باید زیست ۔۔۔ دلبرے گر نبود دل شکنے در کار است

اسی مضمون کے قریب قریب مرزا غالب کا یہ شعر ہے ؎ قطع کیجئے نہ تعلق ہم سے ؛ کچھ نہیں ہے تو عداوت ہی سہی ؛ یار سے چھیڑ چلی جائے اسد ؛ گر نہیں وصل تو حسرت ہی سہی۔ اس شعر میں اس طرف

اشارہ ہے کہ جس بات کی چٹیک انسان کے دل میں ہو، اس کے حاصل کرنے کے لئے وہ کبھی نچلا نہیں بیٹھ سکتا۔ نفع ہو یا ضرر اس کے لئے وہ ہاتھ پیر مارے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ہر وقت اس سے لو لگا رکھتا ہے کبھی بیکار نہیں رہتا۔

الفت صیادی آرد مرا در دام او　　　بارہا ہر چند از اغماض بند از پا گذاشت

اس شعر میں محبت و الفت کی وہ کیفیت بیان کی گئی ہے جس میں مصیبت و تکلیف آرام و راحت سے بدل جاتی ہے اور محبوب کے جور و جفا میں بھی مزا ملنے لگتا ہے۔ ایسی حالت میں اگر محبوب ظلم و ستم سے ہاتھ کھینچ لیتا ہے تو اچھا نہیں معلوم ہوتا، اور اگر وہ دام عشق سے رہا کرنا چاہتا ہے تو رہا نہیں ہوا جاتا۔ اگرچہ یہ انوکھا مضمون نہیں ہے۔ مختلف شعرا نے اس مضمون کو مختلف پیرایوں سے باندھا ہے۔ چنانچہ مرزا غالب فرماتے ہیں:۔ واحسرتا کہ یار نے کھینچا ستم سے ہاتھ ۔ ہم کو حریص لذت آزار دیکھ کر۔ اور نظیری کہتا ہے ؎ نالہ از بہر رہائی نکند مرغ اسیر ۔ خورد افسوس زمانے کہ گرفتار نبود۔ لیکن رونق نے بھی اس مضمون میں کچھ کم داد بلاغت نہیں دی ہے

اگرچہ یہ تینوں شعر طرز بیان کے لحاظ سے بہت کچھ اختلاف رکھتے ہیں لیکن انہیں معناً قدر مشترک بھی ہے لہذا اس وجہ موازنہ ہو سکتا ہے۔ تینوں میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ معشوق کے جور و جفا سے لذت و راحت ملتی ہے لیکن غالب نے اس پر یہ اضافہ کیا ہے کہ معشوق نے مجھکو آزار سے لطف اٹھاتا ہوا اور اس پر حریص دیکھ کر ستم سے ہاتھ کھینچ لیا۔ یہ اضافہ نظیری اور رونق کے پاس نہیں ہے۔ لیکن اگر محض "لذت آزار" کے مضمون کو دیکھا جائے تو نظیری اور رونق نے اس عنوان کو غالب سے بڑھکر بلیغ پیرایہ میں بیان کیا ہے۔

رونق اور نظیری کے شعر معناً بہت قریب واقع ہوئے ہیں صرف تخیل اور طرز بیان کا اختلاف ہے۔ نظیری کے شعر میں شاعرانہ تخیل کا رنگ زیادہ ہے یعنی مرغ کے نالہ کرنے سے شاعر یہ استنباط کرتا ہے کہ وہ رہائی کے لئے نالہ نہیں کرتا بلکہ اس زمانہ پر افسوس کر رہا ہے جب کہ وہ گرفتار نہیں تھا۔ اگرچہ نظیری نے ایک عاشقانہ کیفیت کو تمثیل کے پیرایہ میں ظاہر کیا ہے لیکن یہ تمثیل واقعیت کے بہ نسبت زیادہ تر تخیل پر مبنی ہے کیونکہ اس کے نالہ کو اس زمانہ کے افسوس پر محمول کرنا جبکہ وہ گرفتار نہیں تھا محض شاعرانہ تخیل ہے جسکا کوئی وجود نہیں۔

برخلاف اس کے رونق کی تمثیل واقعہ کے بالکل مطابق ہے۔ جانور کو جب صیاد کے ساتھ الفت ہو جاتی ہے اور وہ ہل جاتا ہے تو باوجود رہا کرنے کے نہیں جاتا۔ اغماض کا لفظ ظاہر کر رہا ہے کہ صیاد نے محض آزمائش کے لئے پاؤں کے بند کھولے تھے کہ دیکھئے آیا یہ جاتا بھی ہے یا نہیں۔ درحقیقت اس کا دل بھی نہیں چاہتا تھا کہ بالکلیہ رہا کر دے۔ بایں ہمہ نظیری کے شعر میں ایک خاص وجدانی کیفیت ہے جس کا ادراک ذوق سلیم پر موقوف ہے لیکن رونق کا شعر بھی اپنی طرز میں لاجواب ہے۔ اسی مضمون میں ان کے دو ایک شعر اور بھی ہیں مثلاً صیاد دوش گفت کہ آزادی کنم ۔ از سر ابپائے او زدہ فریادی کنم ۔ از لذت دام و گرفتاری دشمن گرفتہ جانب دست کشد الفت صیاد مرا۔

اگر دوست غصہ اور خفگی کی باتیں کرتا ہے مگر در اصل اسکی خفگی ایک مخفی محبت و التفات کو ظاہر کرتی ہے اور بعض وقت اس کے برعکس وہ بالکل سادگی اور صلح کے ساتھ پیش آتا ہے لیکن درحقیقت اسکی صلح اسکی جنگ اور اسکی سادگی اس کے عتاب کو آشکار کرتی ہے۔ اس مضمون کو رونق نے مختلف طرح باندھا ہے

ایک جگہ لکھتے ہیں ؎

دریں پردۂ قہر تو بود لطف نہاں ، می شناسم بنظر خندۂ پنہاں ترا

یعنے میں ترے غصہ کو جس کے پردہ میں مہربانی چھپی ہوئی ہے اس طرح پہچانتا ہوں کہ گویا میں تری نگاہوں سے تری پوشیدہ ہنسی خوشی کو دیکھ رہا ہوں۔ ایک جگہ لکھتے ہیں ؎

نگارمن زکہ آموخت دل ستانی را ، کہ پر عتاب کند خندۂ نہانی را

اس شعر کا مضمون شعر ماسبق کے بالکل برعکس ہے اس میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ معشوق کی نہاں ہنسی جو عتاب پر مبنی ہو ایک ادائے دلفریب رکھتی ہے۔ اسی مضمون کے چند شعر اور بھی ہیں جو معناً و لفظاً نہایت لطیف ہیں اسلئے ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

بہ پیش طفل شوخی عرض حالم کردنی دارد ___ کہ برلب خندہ را دشنام سازد ناز پنہانش

مشو در پاس رونق این قدر بیدل زخشم او ___ کہ مضمون تسلی ہاست پنہاں در ہر ادایش

اگرچہ محو عتاب ست باز چشمانش ___ پیام صلح نمید نگاہ پنہانش

بہ درش شد مقام از ضعفم ___ دائما باد ناتوانیہا

عشاق اپنے اُن نقصانات کو جو کہ موصل الی المطلوب ہوں گو وہ کیسے ہی مضرت رساں کیوں نہ ہوں بڑی خوشی سے برداشت کرتے ہیں اور ان کو اپنے لئے نہایت مفید سمجھتے ہیں۔ اس مضمون کو مرزا داغ نے بھی بڑے بانکپن سے ادا کیا ہے ؎ نظر آتا ہوں نہ اُس بزم سے اُٹھ سکتا ہوں ، ناتوانی سے بڑے کام لئے جاتے ہیں ۔ مگر رونق کا شعر زیادہ نیچرل ہے۔ کیونکہ ناتوانی گو کیسی ہی ہو نظر نہ آنے کو لازم نہیں برخلاف اس کے ضعف کی وجہ سے انسان چل نہیں سکتا۔ جہاں ہوتا ہے وہیں بیٹھ جاتا ہے۔ لیکن یہ کہا جا سکتا ہے کہ داغ کے شعر میں ناتوانی سے وہ ناتوانی مراد ہے جو لاغری کو لازم ہے۔ جیسا کہ ظفر کہتے ہیں ؎ ناتوانی نے بچا لی جان میری ہجر میں ، کونے کونے ڈھونڈتی پھرتی قضا تھی میں نہ تھا۔ یا ایک فارسی شاعر نے کہا ہے ؎ تنم از ضعف چناں شد کہ اجل حسب دنیا نت ، نا دہر چند نشاں داد کہ در پیرہن ست ، وفیہ مافیہ

دست در گردن خود میکنم از جوشش شوق ___ چہ قدر ہاست مگر حسرت ہمدوشیہا

یعنی مجھے ہمدوشی کی حسرت اس قدر ہے کہ اپنے ہاتھ کو مارے شوق و آرزو کے اپنی گردن میں ڈالتا ہوں اور اس طرح ایک گونہ اپنے دل کو تسلی دے لیتا ہوں۔ ہمدوشی کی حسرت اس سے بہتر پیرایہ میں نہیں بیان کی جا سکتی۔ مضمون شعر بالکل واقعیت پر مبنی ہے شدت شوق و آرزو کی حالت میں اکثر انسان سے ایسا ہوتا ہے۔ غالباً یہ مضمون سعدی کے اس شعر سے ماخوذ ہوگا ؎ گر نبود دلبر ہمخوابہ پیش ، دست توان کرد در آغوش خویش۔ ذیل میں انکی غزلیات سے چند منتخب اشعار ہر قسم کے مضامین کے درج کئے جاتے ہیں جس سے ان کی غزل کا انداز معلوم ہوگا۔

عاشقانہ

کو حوصلہ و طاقت گفتار و دماغے ___ گر بہ سر لطف و کرم است و شکن آئی

تا نظر افگندہ سوے کسے ___ خوشش نمی آید مرا دیدے کسے

مدتے شد بہ ہجر خورسندم ___ بعد ازیں ست شادمانی ہا

رخ تو در نظر آئینہ دار می آید ___ بسادگی چہ قدر از تو کار می آید

همچو بیمار عزیزے که بدستش دارند — اے لفتے طرفه مرا با دل زارم افتاد
ناله آهسته کنم رحم مرا می آید — که درین سینه زارم دل بیمارے هست

حال دستار چه پرسی بفراق دلدار — سر ما همچو گهر بر تن ما بارے هست

هر چند سراپاش پر از نقش و نگار ست — داغے ست مرا منتخب از زیور طاوس

با گریه عاشق چه کند گریه زاهد — این پیش کسان گریه کند او به بیابان

اے دل خسته یار می آید — صبر و عیش و قرار می آید
خون شدن یا بخاک غلطیدن — دیگر از دل چه کار می آید

برنج ست آنکه دلدارے ندارد — ز غنچه گل نے بدل خارے ندارد
حباب آسا سبکبارے ست خرم — بفرق خویش دستارے ندارد

هجوم مردم این شهر دارم دل تنگ — بکوه و دشت روم دلکشاده می گریم
بشوق دیدن آن ماه رو چو آئینه — سرے بزانوے حسرت نهاده می گریم
بدرد هجر تو چون سیل آنچنان زارم — که سر بدامن صحرا نهاده می گریم

از تیغ آبدارش امید داشتے بود — پیکان تیرش افگنده آخر بکار عقده
هر کس بقدر حالش از دوست شادکام ست — آمد فقط بکارم زان گلعذار عقده

رفته در ویرانه در انتظارش میکشم — عرض حال دل مرا با دوست تنها کردنی ست

خوب تر از راستی گردد وضع یار کج — چون گذارد بر سر خود طرهٔ دستار کج
عشق را لازم بود پیوسته همرنگی حسن — میکند بلبل ز وضع شاخ گل منقار کج

خواستم هر چند تا در پرده دارم سر خویش — از صفاے دل عیان شد راز پنهانم چو صبح

بیا به محفل رندان بدست آر قدح — با انتظار تو گردید چشم زار قدح
کجا علاج فراقش به مے کشی آید — به هجر دوست فزاید مرا خمار قدح

بعد ازین در حسن هر رنگے که دل میدهم — الفت این نوخطان آئینه ام را زنگ بود

نگو مبیت که مینائے می شراب انداز — بنائے صبر و خرد را دگر بآب انداز
بآب دیدهٔ عاشق براری دارد — نگاه گرم یکے بر سر سحاب انداز
بغیر دیدهٔ رونق فزائے حسن تو نیست — به بزم بوالهوسان گر روی نقاب انداز

باندک التفاتش خسته جانان می رهند از غم — چرا بر خود نه بیند از نگاہے چشم بیمارش
اگر در انتظارش کور گردد دیدهٔ عاشق — ظهور شمه دان از تغافلهاے بسیارش

نخواهد سر خوش او ساغری گر جام جم باشد — بیک جو غم نگیرد راحت کونین مخمورش
بفرق خویش بندد منعم و صد نازها دارد — نم آب خجالت می شمارم در مکنونش
هر آنکس چون حنا هم پنجهٔ دلبر شود رونق — با آئین حمیت لازم آمد ریزش خونش

نمیدانم چه میگوید بشوخی چشم جادویش — بزانوے ادب در پیش او خم گشته ابرویش

صبا بار دگر رہبر شدی گر تا سر کویش — دل آشفتہ خود را نمایم نذر گیسویش
ندانم تا چہ باشد مدعائے التفات او — کہ وا دارد با مسلمان میل یار بے زلف ہندویش

اس شعر کے موزوں کرتے وقت رونق کی جو مراد ہوگی وہ تو ظاہر ہے۔ لیکن ہندوستان کی پولیٹکل انقلاب نے اس شعر کو مسلمانوں کے موجودہ خیالات کے مطابق کر دیا ہے۔ جو لوگ مسلمانوں کے ساتھ ہندوؤں کے میل ملاپ کو شک کی نظروں سے دیکھتے ہیں اور اتحاد و اتفاق کی طرف انکی پیش قدمی کو خود غرضی پر محمول کرتے ہیں یہ شعر ان کے خیالات کی ہو بہو تصویر ہے۔

بزم بے تو صہبائے خوشگوار چہ حظ — اگر نبود دل زنو بہار چہ حظ

اس زمین میں غالب کا مطلع بھی نہایت پر لطف اور بلند واقع ہوا ہے ؎

مرا کہ بادہ ندارم ز روزگار چہ حظ — ترا کہ ہست و نیا شامی از بہار چہ حظ
کجا بوصل میسر شود چنیں راحت — شب فراق تو بردم در انتظار چہ حظ
تو اول از ہمہ جام شراب را درکش — بزم بادہ چو ساقی ست ہوشیار چہ حظ

اسی مضمون کے قریب ان کا ایک اور شعر ہے ؎ سبو بدوش و صراحی بکف پیالہ بدست ÷ ہزار شکر کہ ساقی بہ ننگ و عار نماند۔

یاد ایں از دم سرد دل پروانہ ہا — خوش بہارے در نظر دارد گل بیچار شمع
شوق کامل را نباشد ہیچ حائل درمیان — مانع پروانہ کے گردد نگر دیوار شمع
در شب ہجرت چہ گوئیم ماجرائے درد را — سطرے از حال دل ارم بود طومار شمع
رجبیں راستان احوال باطن روشن ست — داغ دل گردد عیاں از دیدن رخسار شمع
نیست قدرے خوبرویاں را بغیر از عاشقاں — از پر پروانہ باشد گرمی بازار شمع

می آید آں آشوب جاں از بہر قتل عاشقاں — در دست تیغ خونفشاں بگرفتہ داماں در بغل

مستانہ خرامی چو بصحن چمن آئی — پیمانہ شکن گر بسر انجمن آئی
کے دست دہد اینکہ در آغوش من آئی — جان در تنم آید اگر اے سیم تن آئی
رونق بخیالات ہمہ شب دیدہ نبندد — اے کاش بخوابش بہ رخ بے سخن آئی

شوخی مکن نسیم بزلف نگار من — خمیدہ نہ قدم بہ شب تار اندکے

گر ہمین ست بدنیا ثمر باغ وفا — بچہ امید کسے مہر و فا می سازد

تصوف و اخلاق فارسی شاعری میں غزل کا ایک بہت بڑا حصہ تصوف یا اخلاق کے لئے مخصوص ہے کوئی فارسی گو شاعر ایسا نہیں نکلیگا جس نے غزل کو محض عاشقانہ مضامین سے مختص کیا ہو۔ چونکہ رونق نے صائب کی طرز میں بہت شعر کہے ہیں اسلئے ان کے کلام میں اخلاقی شاعری کا عنصر معتدبہ موجود ہے۔ صائب کی طرز کے اشعار اوپر نقل کئے جا چکے ہیں یہاں ان منتخب اشعار کو نقل کیا جاتا ہے جو اس طرز سے الگ ہیں۔

در باغ ایں جہاں بچہ دل خوش کند کسے — گل ہیچ و غنچہ ہیچ خزاں و بہار ہیچ

رنگ عیشے بدہر نیست کہ طفل ... دست حسرت گزیدہ می آید
از رخ غیر دیدہ می پوشد ... ہر کہ روئے تو دیدہ می آید
ہفت کشور بکف آورد و ندیدہ شرمے ... کاش اسکندر رومی بدلے جامی کرد
یک شکر لب نیست در باغ جہاں بیدرد سر ... یا رمحو آئینہ طوطی گرفتار قفس
اخلاق — تلخ گردد بمذاقت جو قناعت گیری ... آنچہ اکنوں بنگاہ تو رسد نوش بود
تعمو... — بار دام حب گویم نمی تواں گفتن ... گراں چو کوہ بود گرچہ ہست یک پل قرض

اس زمین میں اور بھی بہت سے لوگوں نے غزلیں کہی ہیں مگر یہ قافیہ ان ہی کے حصہ میں آیا ہے، اور ردیف کے ساتھ ایسا دست و گریبان ہے کہ دوسرے مضمون کی گنجائش نہیں ہے۔ پل مخفف پول بمعنی فلوس

جلوہ گاہ آن پری درکعبہ و بتخانہ نیست ... بر رخ مطلوب آمد صد حجاب از سنگہا

قافیہ اور ردیف کی سنگلاخی کو ملاحظہ فرمایا جائے اور پھر مضمون کی برجستگی اور طرز ادا پر غور کیا جائے۔ اکثر شعراء نے لکھا ہے کہ کعبہ و بتخانہ درحقیقت دونوں ایک ہی چیز ہیں صرف ظاہری اختلاف ہے چنانچہ حافظ فرماتے ہیں ؎ چراغ بتکدہ و شمع خانقاہ یکی ست ٭ اگرچہ دیدہ دو آمد ولے نگاہ یکی ست ٭ عرفی کہتا ہے ؎ ہرگز مگو کہ کعبہ ز بتخانہ خوشتر ست ٭ ہر جا کہ ہست جلوۂ جانانہ خوشتر ست ٭ ایک اور شاعر کہتا ہے ؎ مقصود من از کعبہ و بتخانہ توئی ٭ ورنہ من ازیں ہر دو مقام آزادم۔ مگر رونق نے ان سب سے الگ راہ اختیار کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ کعبہ و بتخانہ کا نام ہی نہ لو۔ اس قسم کے تعین و تخصیص سے شاہد مطلوب کے چہرہ پر حجاب پڑ جاتا ہے۔ کیونکہ اسکی جلوہ گری کو نہ کعبہ سے علاقہ ہے نہ بتخانہ سے ایسی مشکل زمینوں میں ایسے شعر بہت کم نکلتے ہیں۔

مشکل این ست کہ ہمجنس شود دشمن من ... گرز دل دور کنم صورت خارائی را
چو دل تہی ز غیر شود جلوہ گاہ اوست ... مملو شد از محیط ازاں خانۂ حباب
نمی گنجید نہ ہم ہستیم در جلوہ گاہ او ... دو عالم فرد باطل بود شب جائیکہ من بودم
نگردد حسن جاناں جلوہ گر در عرصۂ امکان ... تماشا گاہ او دل بود شب جائیکہ من بودم

کلام میں سوز و گداز نہ ہونے کی وجہ

چونکہ رونق کا یہ کلام جیسا کہ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں۔ نوجوانی کا ہے جو بالکل بےفکری کا زمانہ تھا اور تاج الامراء ماجد کی صحبت میں بڑے عیش و آرام سے گزرتی تھی اس لئے اس میں سوز و گداز نظر نہیں آتا۔ دراصل شاعری جذبات کے اظہار کا نام ہے؛ جو لوگ فطری شاعر ہوتے ہیں جب تک کوئی کیفیت ان کے دل پر نہیں گزرتی؛ جب تک ان کا دل کسی چیز سے متاثر نہیں ہوتا؛ وہ اس کو بیان بھی نہیں کر سکتے۔ جو شاعر جس حالت میں رہے ہیں؛ ان کے کلام میں اسکی جھلک ضرور نظر آتی ہے ایک ایسا شخص جسکی عمر عیش و آرام میں گزری ہو، رنج و غم کی تصویر اگر کھینچنی چاہے تو یقیناً اسکو ناکامی ہوگی۔ کیونکہ طبیعت میں جب آمد ہی نہ ہو تو آورد سے کیا خاک لطف آسکتا ہے۔ شاید رونق کے پایان عمر کا کلام ایسا نہ ہو۔ سیلاب غم اور گرداب غم انکی جود و تمنویاں

ہیں۔ انکی نسبت واصف نے لکھا ہے کہ نہایت پرسوز لکھی ہیں۔ چونکہ یہ دونوں مثنویاں دلی دوستوں کے مرثیہ میں لکھی گئی ہیں اس لئے ان میں سوز و گداز ہو تو کوئی تعجب نہیں۔ زمانہ کی ناقدری۔ فلک کی شکایت، فراق و ہجر، دیوانگی، بیقراری اور گریہ و زاری کے مضامیں، دیوان میں اکثر جگہ پائے جاتے ہیں، مگر ان میں زار نالی اور درد و اندوہ کی وہ حقیقی کیفیت اور رنج و الم کی وہ اصلی تصویر نہیں ہے جس کو دیکھکر انسان دل پکڑ کر رہ جائے اور سننے والا کلیجا تھام کر بیٹھ جائے۔ لیکن اس سے شاعر کے کلام میں کسی قسم کا نقص عاید نہیں ہو سکتا۔ حافظ کی شاعری میں کس کو کلام ہے مگر ان کے دیوان میں بمشکل ایک آدہ شعر بھی ایسا نکلے گا جس سے سوز و گداز کی بو آتی ہو، فروق کو آج کون استاد نہیں مانتا مگر انکا کلام درد و غم کے اثر سے بالکل خالی ہے۔

ہندی الفاظ کا استعمال

رونق کے کلام میں کئی ایسے الفاظ پائے جاتے ہیں جو ہندی ہیں اور بعض ایسے مضامین بھی انھوں نے نظم کئے ہیں جو ہندوستان سے خصوصیت رکھتے ہیں۔ یہ امر عام طور پر ہمارے یہاں کے شعرا کے بالکل برخلاف ہے۔ خال خال ایسے ہندی شعرا نظر آئیں گے جنھوں نے اپنے ملکی خصوصیات، رسم و رواج اور تمدن و معاشرت کو مد نظر رکھکر شعر کہا ہو ورنہ عام طور پر ہمارے شعرا رہتے تو ہیں ہندوستان میں مگر کہتے ہیں ایران و توران کی۔ بمناسبت مقام ہم رونق کے ان اشعار کو ذیل میں قلمبند کرتے ہیں۔

بدست توکل زخم آزدست رونق را ــــ بگردن تو چو بازے حمائل افتادست

ہزار خلعت زریں و جامہ دیبا ــــ بصبح و شام بدوشش کہار بر پاشد

میانہ کی سواری کی طرف تلمیح ؎ چو نیست اہل مروّل دریں عالم کو جنازہ ساں بجہہ صورت بدوش می آید

یعنی اہل دول مردہ دل ہیں اسلئے میانہ میں جنازہ کیطرح کندھوں پر لدے ہوئے آتے ہیں۔

ز سلک گوہر اشک روانے ــــ براستے زیور او مایہ دارم

ہندوستان کی ہولی اور تقاریب نشاط کی رنگ افشانی کو اس شعر میں یوں نظم کرتے ہیں۔

رنگ نشاط یختہ آمد نگارمن ــــ دارم بدست خود ز برائے نثار رنگ

ہندوستان میں رسم ہے کہ جلوہ کے وقت تفاول نیک کے طور پر، دولہن کا منھ دکھانے سے پیشتر دولہے کو قرآن کھولکر دکھاتے ہیں۔ اس سے یہ شاعرانہ مضمون پیدا کرتے ہیں ؎

در امید جلوۂ رویش زسیل گریہ ام ــــ مصحف لخت دل از بہر شگون آید بروں

فطرت پرستی معلوم ہوتا ہے کہ رونق کی طبیعت فطرتاً نیچر پرست واقع ہوئی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ انھوں نے اس زمانہ میں جبکہ خیال بندی کا چرچا اور خیال پرستوں کا دور دورہ تھا۔ انکی طرز اختیار نہیں کی اور صفائی زبان اور طرز ادا کی بے تکلفی اور سادگی کو پسند کیا اس میں شک نہیں کہ وہ زمانہ کے اثر سے نہیں بچ سکے اور ان کے کلام میں بھی وہ عامتہ الورود نقایص نظر آتے ہیں جن سے کسی ایشیائی شاعر کا کلام خالی نہیں۔ لیکن مبالغہ، غلو، اغراق، تخیل محض، اور لفظی طلسم جس کو معنی سے کوئی سرکار نہیں اور جو اس زمانہ میں مایۂ نازش سمجھا جاتا تھا۔ ان کے یہاں بہت کم ہے۔

چونکہ مدراس ایک زمانہ تک ان کا وطن رہا تھا، اور وہاں کے دریا کا دلچسپ و دلفریب منظر پیش نظر تھا۔ اس لئے دیوان میں بہت سے ایسے شعر نظر آتے ہیں جن کے مضامین کا اختراع دریا سے کیا گیا ہے، کئی ایسی تشبیہیں استعمال کی گئی ہیں جنکا ماخذ دریا ہے، کئی ایسے شعر ملتے ہیں جن سے دریا کی خصوصیات اور نیچرل کیفیات کا پتہ لگتا ہے۔ یہ ایک بین ثبوت ہے ان کے وقوع گو، فطرت پرست، اور نیچرل شاعر ہونے کا، اگر وہ اس زمانہ میں ہوتے تو اُن کی شاعری بعینہ مناظر قدرت، اور حقائق دوقعا کی تصویر، اور ان کا دیوان سراسر نیچرل مضامین کا مخزن ہوتا۔ ہم اس قسم کے چند اشعار ذیل میں التقاط کرکے لکھتے ہیں۔

(۱) دریا کے شور و غوغا کو وہ اپنی غزل کے ایک شعر میں اس طرح ظاہر کرتے ہیں۔

فلک از شور دریا پنبہ در گوش خود انداز د بهنگامیکہ آرد سیل آب دیدہ در جوشش

(۲) دریا کی موجوں سے ایک شاعرانہ مضمون کا استنباط۔

وسعت دلہائے روشن دیدشاید کرخند میزند از موجہا بر خویشتن خنجر محیط

(۳) شاعرانہ تخیل۔

بسیر بحر چو رفت آن نگار زریں پوش زعکس او شدہ ہمرنگ زعفران گوہر

(۴) ساحل دریا سے ایک لطیف تخیل کا اختراع۔

کہ رفت بہر تماشائے آب دریا را زشوق دیدن او سر بساحل افتادہ ست

(۵) مبالغہ مستی چشم معشوق۔

گر گاہ مست او بر ساحل دریا فتد پر زمے گردد صدف ہا جملہ چوں ساغر در آب

(۶) معشوق کے لباس کا عکس دریا میں۔

زعفرانی پوش من گر جانب دریا رود میشود یکسر حبابش چوں گل اصفر در آب

(۷) بغیر حسینوں کے دریا کی سیر کا لطف آ نہیں سکتا۔

سیر دریا نتواں کرد کہ بے ماہ رخے موجہ آب رواں کام نہنگست اینجا

اخیر خصوصیت | اب ہم دیوان رونق کی اخیر خصوصیت بیان کرتے ہیں جس سے شاید اردو دواوین خالی ہوں۔ اکثر شعرا کے کلام میں دیکھا گیا ہے کہ ان کو ایک خاص مضمون اور ایک خاص عنوان پسند آجاتا ہے جس کو ہیر پھیر کر وہ اپنے کلام میں مختلف اسالیب اور مختلف پیرایوں سے باندھتے ہیں۔ چنانچہ ذوق میں رند نے "بلبل" کے متعلق اسی قسم کے اکثر شعر کہے ہیں۔ اسی طرح رونق نے بھی اپنے دیوان میں نقش مہر کے متعلق بہت سے شعر کہے ہیں اور اس سے نئی نئی تشبیہیں اور نئے نئے مضامین اختراع کئے ہیں جو اور دواوین میں بہت کم نظر آتے ہیں چونکہ دیوان رونق کی یہ ایک ممتاز خصوصیت ہے اسلئے مناسب ہے کہ ان تمام اشعار کو ایک جگہ جمع کرکے لکھدیا جائے اور حل طلب اشعار کی تشریح بھی کردی جائے تاکہ ناظرین کو اندازہ کرنے کا موقعہ ملے کہ انھوں نے اس لفظ سے کیسی کیسی تشبیہیں اختراع کی ہیں اور کیا کیا مضامین پیدا کئے ہیں۔

باین حیات تنک مایہ گرم جولان ست ‏ ‏ زہستی و عدمش بر شرار خندہ زنم
فرصت یک دم ایں قدر جولان ‏ ‏ خندہ ام بر شرار می آید

ان دونوں شعروں کا مضمون واحد ہے مگر ہر ایک میں اس خوبی سے بندھا ہے کہ خیال ہوتا ہے کہ اس سے بہتر پیرایہ نہیں ہوسکتا۔

شرار آسا دمی فرصت ندارم ‏ ‏ کہ آغاز مرا انجام کردند

اس شعر کے متعلق اوپر لکھا جا چکا ہے یہ شعر منتخب اور برگزیدہ اشعار میں سے ہے۔

ز بے ثباتی ایں بزم مے دلم سوزد ‏ ‏ نم شراب نخواہم بود شرار غرض

شعر کا مطلب یہ ہے کہ اس بزم (یعنی دنیا) کی بے ثباتی پر میرا دل سیجتا ہے۔ پس جب شراب کی ایک بوند چاہتا ہوں تو سمجھو کہ میری غرض شرار سے ہے۔ کیونکہ قطرۂ شراب اسی قدر بے ثبات اور ناپائدار ہے جیسا کہ شرار۔ شراب کا مزاج چونکہ آتشیں ہے اور بوند کی شکل شرار کی سی شکل ہے، اس لئے اس کی بوند کو شرار سے تشبیہ دی ہے۔

چہ قسمت ست مرا ازل نگر رونق ‏ ‏ بجائے قطرہ مے ریزدم شرار قدح

یہ شعر معناً اوپر کے شعر سے بہت قریب واقع ہوا ہے۔

برباد شوی گر بدر آئی از وطن خویش ‏ ‏ اندیشۂ پرواز بلائے بشرار است

صائب کی طرز کا تمثیلیہ شعر ہے مطلب یہ ہے کہ سفر میں خطرہ ہے؛ اس لئے اپنے وطن سے قدم باہر نہ نکالو، ورنہ برباد ہو جاؤ گے کیونکہ پرواز کا خیال شرار کے لئے مصیبت ہے۔ جب تک وہ پتھر میں (جو بمنزلہ اس کے وطن کی ہے) رہتا ہے، موجود رہتا ہے۔ جہاں نکلا کہ معدوم ہوا۔ یہ تمثیل جہاں تک ہم خیال کرتے ہیں بالکل نئی ہے شرار سے کسی شاعر نے یہ تمثیل استخراج نہیں کی۔

زسرد مہری ارباب روزگار مپرس ‏ ‏ درون سنگ زتاثیر آن شرار نماند
کاش پیدا می شدے از بہر دل جائے دگر ‏ ‏ عرصۂ ہستی بجولان شرارم تنگ بود

یعنی دل کی جولانیوں کے لئے یہ دنیا کافی نہیں ہے کسی اور دنیا کی ضرورت ہے "شرارم" سے مراد دل ہے۔ دل کو شرار سے اس لئے تشبیہ دی ہے کہ شرار میں بھی دل کی طرح حرکت ہے؛ بلکہ اس کا وجود اسی وقت تک ہے جب تک کہ حرکت ہے؛ جہاں حرکت ختم ہوئی وہ فنا ہو گیا؛ یہی حال دل کا ہے جب تک وہ حرکت کرتا رہتا ہے زندگی ہے؛ جب اس کی حرکت موقوف ہوئی تو بس موت ہے۔ غالباً یہ تشبیہ بھی نئی ہے۔

بکام اہل گیتی کجا دے فرصت ‏ ‏ متاع عیش بدوش شرار می آید

یعنی دنیا میں کسی شخص کو عیش دلشادی کی فرصت نہیں ہے کیونکہ سامان نشاط شرار کے کندھوں پر آتا ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ وہ شرار کی طرح بہت جلد فنا ہو جائے یا یہ کہ دوش شرار پر ہونے کی وجہ سے جل کر خاک سیاہ بن جائے۔

آمد بقصد عربدہ دیگر بجنگ سنگ ‏ ‏ ہمچوں شرر گرفتہ در آغوش تنگ

آغوشِ تنگ اس لئے کہا ہے کہ پتھر میں چنگاری چھپی ہوئی رہتی ہے۔ جس سے شاعر نے یہ تخیل پیدا کی کہ پتھر نے اس کو اپنی بغل میں داب لیا۔ یہ تشبیہ بھی انوکھی ہے

بہ عشق شعلۂ رخسار زبسکہ لبریزم — بساں شیشۂ آتش شرار گریہ کنم

یعنی معشوق کے شعلۂ رخسار کے عشق میں، چونکہ میں لبریز ہوں اس لئے شیشۂ آتشی کی طرح میرا رونا شرر کے سوا کچھ نہیں۔ مطلب یہ کہ بجائے آنسو کے میری آنکھوں سے چنگاریاں جھڑتی ہیں۔ اس شعر میں صرف ندرت تشبیہ ہے کوئی معنوی لطف نہیں۔ اسی کے قریب قریب انکا ایک اور شعر ہے رونق بدل فتاد چہ آتش کہ دیدم — از اشکباری فرہ کار شرر کنم

عروآتش مزاج من بسیر گلستاں ہرگز — چمن مجمر شود گل شعلہ میگردد شرر شبنم

نہایت لطیف اور نادر تشبیہ پیدا کی ہے۔

از بستگی کارم جانے رسید بہ درم — سرمایۂ حیاتم شد چوں شرار عقدہ

نہایت بلیغ شعر کہا ہے جسکی تشریح و توضیح کماحقہ الفاظ میں نہیں ہوسکتی۔ مطلب یہ ہے کہ میری کاموں میں جو گتھیاں پڑی ہوئی ہیں اس کو سمجھو کہ جان پڑی ہوئی ہے۔ میری زندگی کا سرمایہ شرار کیطرح عقدہ میں بند ہے۔ پس اگر اس سرمایہ کی گرہ کھل جائیگی تو موت یقینی ہے۔ شرار کی زندگی اسی وقت تک ہی جبتک وہ پتھر میں بند پڑا ہے، جہاں وہ پتھر سے باہر نکلا معدوم ہوا۔ شاعر کہتا ہے کہ میری زندگی کے تمام سرمایہ اور تمام کاموں کی یہی حالت ہے، جب تک وہ گتھے ہوئے اور بند پڑے ہیں۔ اسی وقت تک موجود ہیں جہاں ان کے الجھاؤ نکل گئے اور ان کے بند کھل گئے تو سمجھ لو کہ وہ نابود ہیں۔ فلسفیانہ اور متصوفانہ شعر ہے حاصل یہ ہے کہ جو باتیں بظاہر ہم کو مضر معلوم ہوتی ہیں درحقیقت انُ ہی میں ہمارا نفع چھپا ہوا ہے، جن امور سے ہم کو فائدہ کی توقع ہے در اصل وہی ہمارے لئے سنگ راہ ہیں موجودہ حالت جو کچھ اور جیسی کچھ ہو اس سے بہتر حالت نہیں ہوسکتی۔

قصائد رونق نے قصیدے بہت کہے تھے مگر وہ یا تو فراہم نہیں کئے گئے یا تلف ہوگئے اگرچہ اس دیوان میں ان کے صرف دو ہی قصیدہ ہیں مگر انکا زور طبیعت جس قدر قصیدوں کے دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے ویسا غزلیات سے نہیں ہوتا۔ انکی غزلیات میں اکثر ایسے شعر نظر آتے ہیں جن میں قصیدہ کی شان پائی جاتی ہے؛ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انکی طبیعت کو بہ نسبت غزل کے قصیدہ سے زیادہ لگاؤ تھا اور قصیدہ گوئی کی مشق بہت رہی تھی۔

گلزار اعظم میں "درگوہر" کے قصیدہ سے چند اشعار نقل کرکے مصنف نے لکھا ہے؛ "بایدوانست دیگر شطر جان ادہم دریں زمین باوے سابقہ نمودہ اند" اور اسکے بعد انکے معاصرین خلوص، نامی اور مشتاق کے جستہ جستہ اشعار نقل کئے ہیں اگرچہ قصیدہ کی نسبت ان کے بیان اس قدر کم ہے کہ اس کے متعلق زیادہ لکھنے اور بحث کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ لیکن اگر ہم مصنف مذکور کے ریمارک پر نظر ڈالنے کی غرض سے اس قصیدہ کے بعض اشعار کا، ان کے معاصرین کے اشعار کے ساتھ موازنہ کریں تو بیجا نہ

موقع ومحل کے لحاظ سے نامناسب نہ ہوگا۔ ذیل میں ہم انھی اشعار کا موازنہ کریں گے جو مضمون اور قوافی کے لحاظ سے ملتے جلتے ہیں، اور ہر ایک شعر کی تشریح کرنے کے بعد ہم اپنی رائے بھی اس کے متعلق ظاہر کرینگے جس کا فیصلہ منصف مزاج اور نقاد سخن حضرات کے ہاتھ ہے۔

رونق	خلوص
چو آب وتاب سرشکم بہ بیند از نمش	زحسرت دُر دنداں آن گراں گوہر
بخویشتن تیغ کشند از صدف نہاں گوہر	شدہ بچشم صدف اشک ساں نہاں گوہر

نہاں کا قافیہ نامی اور شایق نے نہیں باندھا۔ رونق کے شعر کا مطلب یہ ہے کہ میرے آنسو کی آب و تاب دیکھکر موتی اس قدر شرمندہ ہوا کہ صدف سے جو مثل تیغ کے ہے اپنے آپ کو ہلاک کرنا چاہتا ہے۔ خلوص کہتے ہیں معشوق کے دُر دنداں کی حسرت سے موتی چشم صدف میں چھپ گیا۔ حسرت پوشیدہ ہونے کو لازم نہیں ہے۔

رونق	خلوص
ز سینہ صافی جاناں صدف کند خبرے	چو آب بستہ شود در صدف گہر گردد
ز تنگی دہنش می دہد نشاں گوہر	ز فیض جاری غزلت دہد نشاں گوہر

رونق کے شعر کا مطلب یہ ہے کہ معشوق کے سینہ کی صفائی کی خبر صدف دیتی ہے اور اسکے تنگ دہانی کا نشان گوہر سے ملتا ہے۔ تشبیہ نہایت عمدہ اور نیچرل ہے۔ خلوص کہتے ہیں جب پانی صدف میں جم جاتا ہے تو موتی بن جاتا ہے اور موتی غزلت کے فیض جاری کا نشان دیتا ہے۔ پہلے تو رونق کے شعر میں "کند خبرے" اور "می دہد نشاں" کے تقابل سے جو حسن پیدا ہوا وہ خلوص کے یہاں نہیں دوسرے یہ کہ جاری کا لفظ محض بیکار ہے کیونکہ فیض کے جاری رہنے کا کوئی ثبوت شعر میں نہیں ہے بہر حال یہ قافیہ رونق کے یہاں زیادہ اچھا بندھا ہے۔ غزلت گزینی کے مضمون کو رونق نے بھی نظم کیا ہے جو قابل ملاحظہ ہے ؎ مدام اہل ہنر گوشہ گیر می باشند ، کہ منزوی بصارت جا دواں گوہر

رونق	خلوص
زحب مال دل اغنیا شود ناسور	ز آہ رخنہ بدل کن وصال گر خواہی
ز رخنہ بہر ہمیں یافتہ زیاں گوہر	کہ یافت جا بگلوئے بتاں از آں گوہر

ان دونوں شعروں میں رخنہ کا مضمون باندھا گیا ہے۔ رونق کہتے ہیں کہ مال و دولت کی محبت سے مالداروں کے دلوں میں ناسور پڑ جاتا ہے، گوہر بھی اسی لئے بندھا گیا ہے۔ جب موتی بازار میں بکتا ہے تو استعمال میں لانے کیلئے اس میں سوراخ کیا جاتا ہے، اس خصوصیت سے شاعر نے یہ تخیل پیدا کی کہ روپیہ سے گوہر کو چونکہ محبت تھی اس لئے اسکو یہ نقصان برداشت کرنا پڑا، ورنہ وہ کیوں بندھا جاتا۔ یہی حال مالداروں کا ہے کہ ان کے دلوں میں حب مال کی وجہ سے ناسور پڑ گئے ہیں۔ خلوص کہتے ہیں کہ اگر تجھکو شاہد مطلوب کے وصال کی خواہش ہے تو آہ سے دل میں رخنہ کر کیونکہ اسی وجہ سے موتی نے حسینوں کے گلے کے پاس جگہ پیدا کی ہے۔ شایق نے اس مضمون کو یوں باندھا ہے۔

سفر تے ز سفر ہست گوشہ گیراں را؛ کہ رخنۂ ز سفر یافتہ بجای گوہر۔ اس شعر میں سفر کی تکرار بری معلوم ہوتی ہے اسکے سوا سفر کو رخنہ سے اس قدر مناسبت نہیں ہے جس قدر کہ محبت یا آہ کو کیونکہ ان کو شعرا نے رخنہ کن مانا ہے برخلاف سفر کے۔

رونق | **نامی**

ز مہر مال بود زندگی زر داراں — بہ پیش صاف دلاں قدر ناتواں باشد
بقالب صدف آمد برنگ جان گوہر — کہ جائے رشتہ کند در میان جان گہر

رونق کے شعر کا مطلب یہ ہے کہ مالداروں کی زندگی زر و دولت کی محبت سے ہے اسی وجہ سے موتی صدف میں مثل جان کے رہتا ہے۔ صدف کی قالب سے اور موتی کی جان سے نہایت عمدہ تشبیہ ہے۔ اور پھر کنایتہً اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ صدف کو موتی سے جان کے برابر محبت ہے نہایت بلیغ پیرایہ بیان ہے؛ اور پھر پہلے مصرع میں زندگی کا لفظ بلاغت کی جان ہے۔

نامی کے شعر کا مطلب یہ ہے کہ جو ناتوان ہوتے ہیں ان کو صاف دل اپنی جان کے اندر جگہ دیتے ہیں جیسا کہ موتی کہ اس نے تاگے کو اپنی جان کے اندر جگہ دی ہے۔ اس شعر کا مضمون غیر واقعی ہے محض شاعرانہ ادعا ہے جسکی کوئی اصلیت نہیں۔ رونق کے شعر کو لفظاً و معناً ہر طرح ترجیح حاصل ہے کما لا یخفی علی من لہ ذوق صحیح۔

رونق | **نامی**

بہم رسانده زبانے ز رشتہ می سازد — ز جوہر پسران روشن ست نام پدر
ستائش در دندان او بیاں گوہر — نمودہ مغز ابر کرم بیاں گوہر

رونق کہتے ہیں موتیوں میں جو تاگا پرو دیا گیا ہے وہ گویا معشوق کے دانتوں کی تعریف کرنے کیلئے ایک زبان پیدا کی گئی ہے جو اس کے چھوٹے چھوٹے موتی سے دانتوں کی چمک دمک ہمواری وغیرہ وغیرہ صفات کی تعریف کر رہی ہے۔ یہ شعر حسن تخییل کا نہایت اعلیٰ نمونہ ہے۔ ایسے لاجواب اور لطیف اور نازک تشابیہ شعرا کو بہت کم سوجھتے ہیں اس بیت کو بیت الغزل اور بیت القصیدہ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ گو بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ تاگے کو زبان سے تشبیہ دی ہے اور اس سے یہ معنی پیدا کئے ہیں کہ وہ زبانِ حال سے در دنداں کے وصف میں رطب اللسان ہے لیکن اسکے ساتھ ہی اس میں یہ خوبی بھی ہے کہ موتی جب تاگے میں پروئے جاتے ہیں اسی وقت وہ دانتوں کے مشابہ ہوتے ہیں؛ دوسرے یہ کہ گو دندانِ معشوق کی تعریف خود شاعر کر رہا ہے مگر اس کی اسناد گوہر کی طرف کرتا ہے۔ جس سے مدح میں زور پیدا ہو گیا ہے کیونکہ ہر شخص اپنے محبوب کی تعریف میں مبالغہ اور غلو سے کام لیتا ہے اگر غیر شخص کریگا تو اسکی تعریف جانب داری اور غلط بیانی کے شائبہ سے مبرا ہوگی۔ چونکہ یہ مضمون کنایتہ میں ادا ہوا ہے اس لئے نہایت پر لطف ہو گیا ہے جسکا ادراک ذوق سلیم پر موقوف ہے۔ اسی موقعہ کیلئے کہا گیا ہے الکنایۃ ابلغ من التصریح۔

نامی کا شعر اس قافیہ میں اسی قدر پست اور کم وزن ہے جس قدر کہ رونق کا شعر اونچا و اعلے

پہلے تو نامی کے شعر میں الفاظ کی مناسبت اور موزونیت نہیں ہے۔ پہلے مصرع میں "پسران"
کا لفظ استعمال کیا ہے حالانکہ گوہر جس سے تشبیہ دی گئی ہے واحد ہے۔ دوسرے یہ کہ مصرع اولی
میں کہتا ہے بیٹوں سے باپ کا نام روشن ہے اور مصرع ثانی میں کہتا ہے موتی نے ابر کرم کے معنے
بیان کئے۔ ظاہر ہے کہ دوسرے مصرع میں نام کے روشن کرنے کے لئے کس قدر پھیکے اور کم وزن
الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ جو بالکل اصول بلاغت کے خلاف ہے۔ اسی مضمون کو رونق نے
بھی نظم کیا ہے ؎ بخاندان خلف نامور دہد شرفے ۔ فزود منزلت و قدر بحر و کان گوہر ۔ مضمون
ایک ہی ہے مگر رونق نے کس قدر ترقی دی ہے! آبا و اجداد کے نام کو روشن رکھنا اس قدر
قابل تعریف نہیں جس قدر کہ ان کے لئے باعث فخر و نازش ہونا اور انکی قدر و منزلت کو اپنی ناموری
سے بڑھا دینا۔

نامی	رونق
ہمیشہ اہل ہنر غربت آشنا باشند	گدا ز صحبت منعم ہمیشہ دارد عار
جدا فتادہ ازیں رو ز بحر و کاں گوہر	جدا فتادہ ز دریا برائے آں گوہر

اگرچہ دونوں کے ہاں قوافی مختلف ہیں لیکن دوسرے مصرع کا مضمون اور الفاظ لڑ گئے ہیں۔ دونوں
کے شعر میں یہ بتایا گیا ہے کہ موتی اپنی اصلی جگہ سے نکل آیا مگر وجوہ مختلف ہیں! رونق کہتے ہیں کہ فقیر
کو مالداروں کی صحبت سے نفرت ہوتی ہے اور عار آتی ہے اس لئے گوہر نے دریا سے علیحدگی اختیار
کی۔ نامی کہتے ہیں اہل ہنر غربت آشنا ہوتے ہیں اسی لئے موتی دریا کو چھوڑ کر باہر آگیا۔ نامی کا شعر
واقع کے زیادہ مطابق ہے کیونکہ موتی کا گدا ہونا ایک غیر معروف بات ہے! برخلاف اہل ہنر ہونے
کہ وہ ظاہر و واضح ہے۔

نامی	رونق
چہ دید لولو لالا بتار گیسویش	ز آبرو نہ پسندم بجز نیش ننگ سوال
ز مہرہ مار نہاں کرد در دہاں گوہر	بغور بیں کہ بقفل بر دہاں گوہر

رونق کہتے ہیں کہ پاس آبرو کے خیال سے میں سوال نہیں کرنا چاہتا۔ دیکھو اسی وجہ سے
گوہر نے اپنے منہ پر قفل لگایا ہے۔ چونکہ دریا سے نکالنے کے بعد موتی میں سوراخ نہیں ہوتا، اس سے
شاعر نے "قفل بر دہاں" کی تخئیل پیدا کی۔ آبرو کا لفظ گوہر کے لحاظ سے بہت مناسب واقع ہوا
ہے اور قفل میں اور گوہر میں ایک گونہ مشابہت بھی ہے۔ نامی کہتے ہیں روشن موتیوں کو جب
سانپ نے معشوق کے گیسوؤں میں پرویا ہوا دیکھا تو مہرہ کو بجائے گوہر کے اپنے منہ میں رکھ لیا۔ اس
میں شک نہیں کہ نامی نے بہت عمدہ تشبیہ پیدا کی ہے۔ لیکن نجاکی و نفاقی کی صفت سانپ میں نہیں ہے،
اس لئے اگر یوں کہا جاتا کہ معشوق کے بالوں میں موتی ایسا معلوم ہوتا ہے جیسا سانپ کے منہ میں مہرہ تو
زیادہ مناسب ہوتا؛ یا یوں کہا جائے بساں لولو لالا بتار گیسویش ۔ ز مہرہ مار نہاں کرد در دہاں گوہر

شایق نے بھی اس قافیہ کو باندھا ہے مضمون مختلف ہے ؎ بدیدا عرق روئی یار ز حیرت ہا زرشتہ بگذاشت
در دہاں گوہر۔ نہایت عمدہ تشبیہ ہے لیکن پہلا مصرع ٹھیک نہیں ہے۔ مطلب شعر کا یہ ہے کہ یار کے
چہرے کے پسینہ کو جب موتی نے دیکھا تو مارے حیرت کے تاگے کی انگلی منھ میں رکھ لی لیکن جبتک لفظ
عرق کے قبل یہ الفاظ محذوف نہ مانے جائیں وہ آب و تاب قطرہ ہای عرق ،، اس وقت تک کچھ معلوم
نہیں ہوتا کہ پسینہ کو دیکھنے سے حیرت کیوں ہوئی چونکہ عرق کا دیکھنا حیرت کو لازم نہیں ہی اسلئے
وجہ حیرت کا حذف کر دینا صحیح نہیں ہو سکتا۔ اگر یوں کہا جائے تو ایک حد تک درست ہوگا ؎
چو آب و تاب رخ یار دید از حیرت الخ

رونق

بمال عاریتی نازش تو گر چیست
کہ در خزانۂ او ہست میہماں گوہر

نامی

درون دیدۂ ما اشک چوں بود قائم
کہ چند روز بدریاست میہماں گوہر

قافیہ ایک او مطلب مختلف ہیں لیکن دیکھنا یہ ہے کہ ایک ہی قافیہ کو دونوں نے کیسا باندھا ہے
رونق کے شعر کا مطلب یہ ہے کہ عاریتی مال پر مالدار کیوں اس قدر فخر و ناز کرتا ہے کیونکہ اسکے
خزانہ میں موتی چند دن کا مہمان ہے ، آج ہے کل نہیں۔ نامی کہتے ہیں ، موتی دریا میں صرف چند
ہی دن مہمان رہتا ہے مگر ہماری آنکھوں میں آنسو قائم و دائم کیوں ہیں۔ گوہر کا دریا سے نکالا جانا
اس قدر ضروری اور لازمی نہیں ہے جس قدر کہ مالدار کی وفات کے بعد اسکے خزانہ کا دوسروں کے ہاتھ
پڑ جانا۔ کیونکہ موتی کا نکالا جانا اور نہ نکالا جانا دونوں امکان کا حکم رکھتے ہیں۔ مگر کوئی مالدار شخص ایسا
نہیں جس کو موت نہ آتی ہو اور اسکی دولت دوسروں کے ہاتھ نہ جاتی ہو۔ درون دیدہ کی ترکیب کھٹکتی ہے
در دیدہ کہنا کافی ہے اور اشک پر قایم کا اطلاق بھی غرابت سے خالی نہیں۔

رونق

کمال یافتہ ناچیز از سیہ بختاں
کہ کرد ظلمت شب فلس ماہیاں گوہر

شایق

ز دست عبد درم کے شود گہر ریزی
ندیدہ ایم کہ بخشند ماہیاں گوہر

رونق کے شعر کا مطلب یہ ہے کہ ناچیز سیہ بختوں سے کمال حاصل کرتا ہے کیونکہ ظلمت
شب نے فلس ماہی کو گوہر بنایا کہ وہ رات کے وقت موتیوں کی طرح چمکتے ہیں۔ شائق کہتے ہیں
بندہ درم سے گہر ریزی نہیں ہو سکتی کیونکہ ہم نے کبھی نہیں دیکھا کہ مچھلیوں نے کسی کو گوہر بخشا ہو "عبد
درم" کی ترکیب ثقیل معلوم ہوتی ہے۔ عبد درم کا گوہر ریز ہونا کوئی ضروری امر نہیں ہے۔ کیونکہ
ان دونوں لفظوں میں بظاہر کوئی تلازم نہیں پایا جاتا۔ اگرچہ اسکی یہ تاویل کی جاسکتی ہے کہ
عبد درم سے شاعر کی مراد اُس مالدار سے ہے جو کنجوس بھی ہو ، لیکن الفاظ کی ظاہری مناسبت
جس پر شعر کے حسن و قبح کا بہت کچھ دار و مدار ہے بہر صورت مفقود ہے۔
اگر ہماری رائے صحیح ہے تو اس موازنہ سے ظاہر ہوا ہوگا کہ اکثر قافیے مضمون کے لحاظ سے
رونق کے ہاں اگر زیادہ چست اور گرم نہیں بندھے ہیں تو کم از کم برابر تو ضرور ہیں۔ بندش کی

پختگی اور زبان کی صفائی کے لحاظ سے تو انکو اپنے ہمعصروں پر ہر طرح ترجیح حاصل ہے۔ اس کے بعد انکا یہ دعوی اپنے ہمعصروں کے مقابلہ میں نہیں کچھ بیجا نہیں معلوم ہوتا جو انھوں نے اپنی ایک غزل کے مقطع میں کیا ہے۔

بہ پختگی کلامت نمی رسد فکرے   معاصران تو رونق خیال خام کنند

بہر حال اس بحث سے ہمارے اُن خیالات کی تصدیق ضرور ہوتی ہے جو ہم نے شعرائے مدراس کے ذوق سخن کی نسبت، اس مضمون کے شروع میں ظاہر کئے ہیں؛ اور اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ سخنوران مدراس کا وہ حلقہ جو غلام غوث خاں کے زیر اثر تھا مذاق شاعری کے اعتبار سے رونق اور واصف کا مخالف تھا، چونکہ یہ دونوں سوائے اہل زبان کے کسی کو خاطر میں نہیں لاتے تھے اور انکا مخالف گروہ بیدل اور ناصر علی پر جان دیتا تھا اس لئے یہ ان کو اور وہ اُن کو کم جانتے تھے اور اسی لئے گلزار اعظم میں، رونق و واصف کے حالات پڑھنے سے متعصبانہ تنقیص کی جھلک نظر آتی ہے۔ اخیر میں ہم رونق کے اُن اشعار کو جو بعد میں دستیاب ہوئے اور دیوان میں درج نہیں کئے جاسکے درج ذیل کرتے ہوئے اپنے مضمون کو ختم کرتے ہیں۔

اشعار منقول از محمد غوث خاں صاحب

طاؤس و ہزار و زغن و فاختہ نالد   لیکن نہ بدرد دل بیساختہ نالد
آہم چو ہوائی بہ ہوا تاختہ نالد   دل باختہ باید کہ بدل باختہ نالد

منقول از بیاض قدیم

تہ کشی از کفم اے یار کنار دامن   کہ سر شتت رگ جانم شدہ تار دامن
نوبت افتاد بچاک جگر و سینہ و دل   شد تمام از کف ایں غمزہ کار دامن

سوز دل در سینہ ام آتش زند   چوں نشینم آہ پہلوئے کسے

جدید اضافہ

مضمون مسطور الصدر کاتب کو بغرض تحریر دیا گیا تھا کہ حالات رونق کے متعلق مزید معلومات حاصل ہوئے۔ جنکا اخیر میں منضم کر دینا نہایت ضروری ہے۔ مولوی مہدی واصف نے اردو میں اپنی سوانح عمری لکھی تھی جس میں اپنے آبار و اجداد کے حالات بھی درج کئے تھے۔ یہ کتاب طغیانی رود موسی میں مولوی عبد الواجد صاحب کے پاس سے ضائع ہو گئی۔ حال میں اسکا

ایک ورق دستیاب ہوا جس کے ایک صفحہ پر رونق کا ناتمام حال لکھا ہوا تھا چونکہ اس سے بعض نئی باتیں معلوم ہوئی ہیں اس لئے مناسب ہے کہ یہ کل صفحہ ذیل میں بجنسہ نقل کر دیا جائے :-

"...... جناب (رونق) اپنی فراغت کے عالم میں سخی اور فقیر دوست رہتے تھے۔ آخر سن پیری میں چند سال حیدرآباد میں مقیم رہے سلطان حسین خاں مرحوم کی سرکار میں انکا علاقہ تھا جب حیدرآباد سے بر داشتہ خاطر ہو کر بحکم حب الوطن من الایمان پھر وطن مالوف کو آئے اور نواب محمد غوث خان مرحوم کے شعرا میں داخل ہوئے ان ایام میں جناب رونق پہ ضعف پیری غالب تھا نواب مرحوم (دلنے) کمال اشتیاق سے نوکر رکھا۔ آخر چار سال کے بعد بیماری دق سے لاغر اور بیمار ہو کر ۱۹ شعبان ۱۲۶۱ ہجری میں رحلت فرمائی اور اپنے باپ کے پہلو میں کریم اللہ شاہ کے مقبرہ میں مدفون ہوئے۔ عابد اور ذاکر اور اہل اللہ سے تھا (تھے) اور انھوں نے سید برہان الدین قادری سے بیعت بھی کی تھی۔ رمضان شریف میں تمام روزے رکھتے تھے۔ اور تلاوت قرآن شریف کی کیا کرتے تھے اور والدین کو اس کا اجر بخشتے تھے۔ حق تعالی ان کو بخشے اور ان کے حسنات کو زیادہ کرے آمین آمین جب اُن کا کچھ احوال لکھا گیا تو کچھ ان کے اشعار کا بھی لکھنا مناسب ہوا ...."

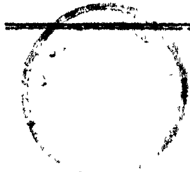
مولوی صاحب موصوف کے پاس سے رونق کے انتقال کی ایک تاریخ بھی دستیاب ہوئی ہے جو خان عالم خاں فاروق کی طبعزاد ہے وہ بھی ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

دم نزع پیکس عارف الدین رونق ۔۔۔ افوض امری الی اللہ بولے

یہی ہے گی تاریخ بخشائش اُن کی ۔۔۔ مجیب اُن کی اس عرض کے تئیں قبولے

آیۂ شریف کے اعداد میں مجیب کے اعداد کا تدخلہ کرنے سے تاریخ نکل آتی ہے یعنی ۱۲۶۱ ہجری اس سن میں اور اوپر جو سن تحریر کیا گیا ہے اُس میں اختلاف ہے۔ لیکن قرائن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ۱۲۶۱ھ ہی صحیح ہے کیونکہ گلزار اعظم میں لکھا ہے ۱۲۵۶ھ میں وہ اخیر دفعہ مدراس گئے تھے۔ اور اوپر کی عبارت میں لکھا ہے کہ نواب غلام غوث خان کے پاس ملازم ہونے کے چار سال بعد وہ فوت ہوئے اس حساب سے ۱۲۶۰ھ ہی کا سن رحلت ہونا چاہئے۔ لیکن ممکن ہے کہ چوتھے سال کے اخیر اور پانچویں سال کے آغاز میں ان کا انتقال ہوا ہو۔ اس توجیہ کے بعد فاروق کی تاریخ میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا۔

عارف الدین خان۔ رونق کی زبان پر رحلت کے وقت آیۂ شریفہ "افوض امری الی اللہ ان اللہ بصیر بالعباد" جاری تھی۔ تاریخ مذکورۂ بالا میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔





بسم اللہ الرحمن الرحیم

شد از ثناے خالقِ کون و مکانِ ما — مانندِ شمع پرتوِ محفل زبانِ ما

افتاد بسکہ شورِ محبت بجانِ ما — یک نالہ وار ہمچو جرس شد دہانِ ما

بیتابی است آئینہ پرداز حسنِ او — از نالہ بر فروخت رخ دلستانِ ما

افتادہ ایم در رہش از جوشِ اشتیاق — از نقشِ پای ما بگیری نشانِ ما

در راہِ عشق ضبطِ نفس رہبری کند — باشد ز داغِ دل جرسِ کاروانِ ما

شبنم بروی سبزہ نباشد درین چمن — مہتاب اشک ریخت ز دردِ فغانِ ما

ذوقِ اسیری از عدم آوردہ ایم آہ — از حلقہ ہای دام بود آشیانِ ما

در آه و ناله بین اگرت خواهش گلست — صد جلوهٔ بهار بود در خزان ما

گر بی ادب شویم باغماض درگذر — در بیخودیست نرگس مستت ضمان ما

اینهم غنیمتست ازین دور چون صدف — پوشیده است نفع دگر در زیان ما

قدر کمال نیست درین دهر ای دریغ
رونق یتیم شد هنر اندر زمان ما

عکس چشمش دیدهٔ آهو کند پیمانه را — شوخی او لغزش مستان دهد میخانه را

گر گذر افتد ز راه ناز آن جانانه را — پرتو مهتاب پا انداز گردد خانه را

هوش را در بارگاه بیخودیها راه نیست — سنگ طفلان دورباش عقل شد دیوانه را

بیخودیها عینک حسن رخ دلدار شد — پردهٔ چشمست هشیاری دل فرزانه را

گنج میباشد نصیب مردم صاحب کمال — پختگیها وقف پامالی نماید دانه را

هست در صحرا دل مجنون ما — آباد این ویرانه را

افسری رونق اگر پا در طریق عشق کن
حرز بازوی توکل همت مردانه را

بفردوس برین آری اگر آن سرو قامت را — ز خلخال تو بر پا می کند شور قیامت را

برفتن آوری از ناز گر آن سرو قامت را — غبار دامن رنگین کنی شور قیامت را

کجا در پیشگاهش ناتوانان را رسائیهاست
شفیعِ خویشتن سازم مگر اشک ندامت را

کشیدم جامِ می در محفلِ مستان خدا حافظ
شکستِ توبه دارد در بغل ننگِ ملامت را

مدان زاهد مرا محروم از لطفِ گنه سوزش
که آوردم نیاز بارگاهِ او ندامت را

برآ از قیدِ تن تا اخترِ بختت شود روشن
که دلقِ کهنه گر سوزی برد با خویش شامت را

مپرس انجامِ کارم جمله تقصیرم گنه کارم
سیه شد نامه ام رونق شناسم این علامت را

بود از دوریِ ساقی بخون غلطیدنِ مینا
زموجِ می بود صد خار در پیراهنِ مینا

بزمِ ما نه زنار است این در گردنِ مینا
به پیشِ قدِ ساقی حلقه میگردد تنِ مینا

بود قطعِ علایق عشرت افزای دلِ سالک
تهی گشتن زمی شد باعثِ خندیدنِ مینا

نمیگیرد زکس منت پیِ زینت صفا مشرب
ز رنگِ می سجافِ سرخ شد بر دامنِ مینا

دو چیز از عالمِ اسباب عشرت انتخابم شد
زمی پر گشتن جام و تهی گردیدنِ مینا

صدای شورِ مستان پیشِ ساقی بر نمی خیزد
که میریزد نگاهش سرمه را بر شیونِ مینا

غنیمت میتوان دانست سامانِ مسرت را
مرا روشن شد این معنی ز قلقل کردنِ مینا

مرا با ساقیِ نازک دلی افتاد کار امشب
که داند پنبه را بارِ گران بر گردنِ مینا

دلِ پر شورم آخر آورد در حیرتی او را
که مستی میفزاید عاقبت از شیونِ مینا

دلِ پرخون بود آئینه وارِ گلستانِ رونق
ز رنگ می شگفت آخر بهارِ گلشن مینا

بسکه از جورِ فلک بارشِ سنگست اینجا
ناله و آه و فغان نغمهٔ چنگست اینجا
حالِ سرگشته دلان از تو چه پرسی زاہد
سایهٔ سرو چو مارسے بنظر می آید
سیرِ دریا نتوان کرد که بی ماه رخے
شبِ ہجران ترا کیفیتے می باشد
بیخودی وادیِ خونخوار بود عاشق را
خامشی کشورِ جمعیتِ دلها باشد

سیلِ خونِ دلِ ما گردشِ رنگست اینجا
میزبانیِ غمت را چه درنگست اینجا
عینِ آسایشِ ما گردشِ رنگست اینجا
هر رگِ گل به تنم زخمِ خدنگست اینجا
موجهٔ آبِ روان کامِ نهنگست اینجا
ناله و آه صدای دف و چنگست اینجا
هر قدم راه پر از کامِ نهنگست اینجا
که زواکردنِ لب سازِ سخن تنگست اینجا

بر درم جلوه غزالی دلم از کف رونق
شوخیِ برقِ روان رفتن لنگست اینجا

صفای شعرِ من قدر رهی ہر نازک خیالی را
اگر آرم بتحریر اندسے کے آشفته حالی را
شبِ ہجرِ تو ای مهروی من از آتش آہے

نماید فکرم از شرم آبِ دیوانِ زلالی را
ز آبِ گریه ساقی پر کند مینای خالی را
برنگِ رشتهٔ شمعی کنم تا رہنمالی را

چه پرسی از جفای گردش چرخ ستم پرور
که آخر میکند با خاک یکسان طبع عالی را

ز جوش غم ندارم رغبت سیر گلستانی
ز آب گریه کم دانم شراب پرتگالی را

به پیش آن تغافل پیشه گر طرح فغان سازم
زبان نوحه پیدا میشود تصویر قالی را

کجا رونق بقید وضع عالم مبتلا گردد
که کاری نیست با اسباب دنیا لاابالی را

چه الفت هاست باهم خاطر شیدا و هامون را
ز تار جاده در پا افگند زنجیر مجنون را

بزیر خاک طوفانهاست سیل چشم پرخون را
چسان سازم جدا از خویشتن بخت واژون را

ز نقش سم او دامی بپای آهوان افتد
بصحرای که شوخیهاش جولان داد گلگون را

هنرمندان ز دون و سفله پرور مرگ میخواهند
غم این دهر اندر خاک افگنده فلاطون را

مشو غافل ز پیچ و تاب سیل گریهٔ عاشق
در آب اشک خود پنهان نمودم سیل جیحون را

بجز سنگینی دل تحصیل زر ممکن نمی باشد
نشان سنگ خارا میشناسم گنج قارون را

رخش با دو زلفش دو بازیهاست حیرانم
که با این سادگی رونق کجا آموخت افسون را

دیده باز است براه تو شهیدان ترا
چقدر ناز بود سرو خرامان ترا

چه اثرهاست بدل ناوک مژگان ترا
بخراشد جگر از شوق شهیدان ترا

پشتِ پای است تمنای دلِ مشتاقم
سفت از کف ندهم دوره دامان ترا

آتش افتاد بجانم چو شرار کاغذ
دیده ام دوش چو روی عرق افشان ترا

شوکتِ پادشهان از نظری کی آرد
هست سامانِ دگر بیسر و سامان ترا

در پسِ پردهٔ قهر تو بود لطفِ نهان
می شناسم بنظر خندهٔ پنهان ترا

مایهٔ دین و دلِ هر دو جهانست نثار
رخ تابانِ ترا زلفِ زر افشانِ ترا

رنگِ روی تو فزاید ز سرشکِ گلگون
چشم خونبار دهد آب گلستان ترا

رونق از دولتِ دیدار نگردی محروم
هست تاثیر دگر ناله و افغان ترا

صرف بیداد می کنیم ترا
ناله ایجاد می کنیم ترا

بر درت کرده ایم منزلِ خویش
خانه آباد می کنیم ترا

گفت چون دید عاشقِ خود را
زود برباد می کنیم ترا

دست در دستِ دیگر و گوید
سخت ناشاد می کنیم ترا

گفت با من رقیبِ وی از مهر
خانه واماد می کنیم ترا

سینه کاوی من چو دید بگفت
رشکِ فرهاد می کنیم ترا

چون گرفتار دید رونق را

گفت آزادی کیسم ترا

من دلدادهٔ گرانی ها — چه قدر هاست سخت جانی ها

از سرِ کوی خود مرا نگذاشت — من بقربانِ بدگمانی ها

مدتی شد بهجر و خرسندم — بعد رنج است شادمانی ها

بر درش شد مقام از ضعفم — دائماً باد ناتوانی ها

بعد مرگ آمد و بجا کم کرد — از لب خویش گل فشانی ها

حرفی از دستِ خویش کن قلمی — نیست جمعیت از زبانی ها

غیر رونق زکس نمی آید
بندگی ها و جان فشانی ها

کرده ام گم زنگاهی رخ تابانی را — چکنم گر نکشم ناله و افغانی را

خاک هرچند نمودم دلِ نالانی را — نتوانست گرفتن سرِ دامانی را

شاید این بختِ سیه کار بسامان برسد — دست در خواب زدم زلفِ پریشانی را

همچو یوسف شوی از حسن عزیز دلها — گر نوازی به نگه بی سروسامانی را

خاکِ صحرا همه گوهر شده بنگر چشمم — در نمِ اشک نهان ساخته نیسانی را

نتوانم که نگاهی برگ گل فگنم — من که در دیده نهم ناوک مژگانی را

شاخ گل مصرع رنگین تو رونق باشد
هست دیوانِ تو آئینهٔ گلستانی را

دلا اگر طلبی عیشِ جاودانی را
مده بخاطر خود راه شادمانی را

نگاهِ او زکه آموخت دلستانی را
که پر عتاب کند خندهٔ نهانی را

بحرف خود دلِ آئینه میبرد طوطی
زلعل یار بیاموخت خوش زبانی را

تمام آه دلم بر فلک رسید بلی
کجا بخاک شود میلِ آسمانی را

رقیب غافل و چشم تو پر خمار بود
سزاست عاشقِ بیتاب پاسبانی را

باسمانِ تنک ظرف کشف راز مکن
فراخ حوصله جو بند رازدانی را

بخوب و زشت جهان اختلاط کن رونق
مثالِ آئینهٔ یکسو بنه گرانی را

بگذر از خویش تماشای نگارست اینجا
در خزان جلوهٔ صد رنگ بهارست اینجا

رهِ عشقست و بدردی سر کارست اینجا
نشئهٔ باده بقربانِ خمارست اینجا

میتوان شد بخیالِ رخ او عشرت یاب
رهزنِ دل بصبر و قرارست اینجا

در فراقت نتوان دید رگلشن فرحت
رگِ گل آئینهٔ نشترِ خارست اینجا

لذّتِ زخمِ محبت نرسد در اظهار
صد چمن جرئی و جان فگارست اینجا

شب وصل آمده غافل ننشستی رونق
صد گلستانِ تمنا به نثار است اینجا

دوش بر لاله نگه در چمن افتاد مرا
دهر از پرتوِ سیمای سبتی یاد مرا
بر سر سینه کشم صورتِ زیبای کسی
ساقی از دستِ خودم داد می و بیخود کرد
لذت دام و گرفتاری دستش دگر است
نیست چون من دگری جورکشِ ناز و عتاب

مسی آلوده لبش آمده در یاد مرا
سیر مهتاب بایں رنگ خوش افتاد مرا
نوکِ خار است بکف خامهٔ بهزاد مرا
رو نما شد مگر آسیب پریزاد مرا
جانب دست کشد الفت صیاد مرا
لب بافسوس گزی گر کنی آزاد مرا

میبرد لذتِ دشنام بسویش رونق
سوخت هرچند دلِ زار به بیداد مرا

راز ها گفت شبم یار ببر گوشیها
صد خرد جلوه نما گشته زبیهوشیها
بعد ازین پرسشِ حالِ دلِ زارم سازد
دست در گردنِ خود میکشم از جوشِ ملال
جز ندامت نبود حاصلِ اسباب جهان

سوختم سوختم از ذوقِ هم آغوشیها
در خمار است نهان لذتِ مینوشیها
یادها جلوه پذیرد ز فراموشیها
چه قدرهاست مرا حسرتِ همدوشیها
عرق از شرم کنی وقتِ گهرپوشیها

عیب را بسکه درین دَور ہمت گیرند | چون صدف شیوهٔ من گشت ہنر پوشیہا

شاد آخر شود از یاس دل من رونق
خنده باشد ثمر باغ الم جوشیہا

رنگ می افروزد از سیر چمن خوبِ مرا | آتشِ گل بادِ دامن گشت محبوبِ مرا
خواستم از جامِ صہبا بی حجابی رو دہد | نشهٔ می شد نقابِ چہرهٔ محجوبِ مرا
مدعای دل چه خواہم از فلک کین جور کیش | در کفِ دیگر نہد از رشک مطلوبِ مرا
از ہجومِ غم فروزان شد دل سرگشته ام | گریه روشن مینماید چشمِ یعقوبِ مرا
بر دلِ حیران نماید دیده رقت بیشمار | طاقتِ دیدن نباشد صبرِ ایوبِ مرا
عرضِ حالِ بیقرارانش تغیر می دہد | پیچ و تاب افزون کند بیند چو مکتوبِ مرا

رونق اندر وصفِ زلفش میشود پیدا اگر
ہمچو بوی گل رسا ی شعرِ مرغوبِ مرا

سوخت دل شعلهٔ جدائیہا | گرد گل باغِ آشنائیہا
فرش ره ابریشم و زان قدم محروم | داغ شد دل ز نارسائیہا
می شناسم یقین سلیمان را | گشت ذوق برہنه پائیہا
خسته خاطر شدم ہجر و کجاست | آن اداہا و دلربائیہا

کی برویت رسد بباغ گلی ‌‌ ‌ بندهٔ تست خوشنمائیها
لاله پرداغ و سرو بی ثمر است ‌ ‌ حیرت افزاست این خدائیها

چون گهر تا بقای هستی خویش
رونق ما وجه بهائیها

شوخ کردست که چشمان ترا ‌ ‌ تیز نمود که مژگان ترا
داده ام از مژه خون فشان ‌ ‌ رنگ گل دورهٔ دامان ترا
رحم بر حال دلم میسازد ‌ ‌ هر که بیند رخ تابان ترا
از سیه بختی خود گردیدم ‌ ‌ آئینه زلف پریشان ترا
چهرهٔ ما رسیه میدانم ‌ ‌ حلقهٔ گیسوی افشان ترا
لاله را نام که نافرمان است ‌ ‌ بنده از دل شده فرمان ترا

حیف رونق که نشد هیچ اثر
چون جرسها دل نالان ترا

در جنونم شده پیدا آب و تاب از سنگها ‌ ‌ بسته ام بر فرق صد لعل خوش آب از سنگها
از نگاه مست او ریزد شراب از سنگها ‌ ‌ آید از فیض خرام او گلاب از سنگها
گر بزم میکشان آن سنگدل ساقی شود ‌ ‌ نیست ممکن بشکند جام شراب از سنگها

صاف طینت را بود جمعیت دیگر برنج
بر سر دریا شود پیدا حباب از سنگها

راحتی دارد دل شیدا ز آفتهای دهر
در دماغ من فزاید جوش خواب از سنگها

شورش مجنون چه مستی ریختا اندر کوهسار
میرسد در گوش آواز رباب از سنگها

جلوه گاه آن پری در کعبه و بتخانه نیست
بر رخ مطلوب آمد صد حجاب از سنگها

ناله را در شهر و صحرا یک اثر باشد مدام
میرسد از سوز دل بوی کباب از سنگها

رونق از رشکت دل سنگین او رقت کند
فصل باران مینماید جوش آب از سنگها

وحشی همچو نسیم است ز گلزار مرا
آرزو سخت کشد جانب دلدار مرا

دیده ناسور شد از گریه کهروار مرا
چه قدر راست نگر حسرت دیدار مرا

دیدن آئینه ساخته سرشار مرا
برد از خود اثر نرگس پرکار مرا

سالها کرد فراق تو گرفتار مرا
میتوان کرد گهی شاد ز دیدار مرا

بیخودیهاست نگر سایه نشین خانش
سر کوی تو بود خانهٔ خمار مرا

آهوی دشت نگه کن که بگردم نه رسد
شوخی چشم کسی کرد گرفتار مرا

حرف حق گویم و اندیشه ندارم از کس
داد منصور خلافت بسر دار مرا

جوش زد گریه چو واشد نگهم بر رویش
سخت ناکام نمود است دل زار مرا

همچو آئینه تصویر که بر دوش بند
شد ز پای دگران صورتِ رفتار مرا

چترِ زرینِ شهان تکیه بباد است ای دل
باغِ فردوس بود سایهٔ دیوار مرا

دود آهم چو کمان حلقه زند سوی فلک
پیچ و تاب است از ان ابروی خمدار مرا

مستِ سرگشتگیم باعثِ جمعیّتِ دل
گردشِ طالعِ من شد خطِ پرکار مرا

همچو نقشِ قدم آئینه حیرت بودم
وحشت آموخته رونق نگهِ یار مرا

جز هوای صنمی نیست بدل رونق هیچ
چون حباب است تهی خانه ز اغیار مرا

گرد شرمنده نگاهش مهِ کنعانی را
آتش افگند لبش لعلِ بدخشانی را

تا کجا ضبط کنی خندهٔ پنهانی را
از دل خون شده بردار پریشانی را

بندگی را ثمرِ روشنیِ دل باشد
سجدهٔ درگهش افروخته پیشانی را

جاه و اقبالِ جهان لایقِ رغبت نبود
تکیه بر باد بود تختِ سلیمانی را

هست در چاره گری دوریِ رحمت مضمر
منعِ فیض است اثر پردهٔ بارانی را

نیست از دیدنِ آئینه گزیرش ای دل
از کفِ خود ندهی دامنِ حیرانی را

گریه را در دلِ زار است عجب کیفیت
عزتی شد بصدف قطرهٔ نیسانی را

نیست وحشت زدگان را بکسی میلِ سخن
در دل از شهر ملالی است بیابانی را

بسکه از شرمِ رخت ریخته شد رنگِ چمن
برگِ گل آئینه شد کشتیِ طوفانی را

زود بگذر ز سرِ خاکِ شهیداں ترسم
چشمِ زخم است اثر دیدهٔ قربانی را

همزبانی چو نیامد بنظر رونق زار
یکطرف کرد ز دل میلِ سخندانی را

رام میخواهی اگر آن بتِ هرجائی را
یکدم از دست مده عالمِ تنهائی را

کن گوارا بدلِ غم زده رسوائی را
دامن از گل شده لبریز شکیبائی را

خوبرو هستی و عالم همه خوبت گویند
زشتیِ خو نه سزد شهرتِ زیبائی را

زود برباد رود خاک چو گردید بلند
بندگی محو کند حشمتِ دارائی را

جورِ افلاک نگر کارِ مرا وارون کرد
سرمه ام تیره کند دیدهٔ بینائی را

سختیِ طینتِ بیناست نگر دشمنِ وی
بشکند سنگدلی گنبدِ مینائی را

جهل از بسکه بود عام درین دورِ خراب
هر خری داشته دعوای مسیحائی را

مشکل اینست که همجنس شود دشمنِ من
گر ز دل دور کنم صورتِ خارائی را

همچو آن طوطیِ خوشگو که بدامش آرند
کرده ام دشمنِ خود رونق دانائی را

صبحِ بهار موج زند از قفاسے ما
چوں گل شگفتگیست بچاکِ قباسے ما

رفتند در زمین همه خوبانِ دلفریب
بی موج بی نجاک نه غلطد گدای ما

در دم زدن فناست طلسمِ بنای خاک
کم فرصتا زحباب نماید بقای ما

رفتیم زین جهان و دلی را گذاشتیم
این بهترین خلف به نشیند بجای ما

در وادیِ مصیبتِ عشق بتان نگر
از در و چشم آبله گرید بپای ما

عکسِ رخش در آئینهٔ دل نهان بود
خورشید آشکار شود از صفای ما

رونق تمام عمر بهجران گذشت و آه
یکدم بسر نیامده با مه لقای ما

بر ترم کی افگند آن شوخ جانان سایه را*
گز لباسِ زر کند سرو چراغان سایه را

طبع آزادان شود وارسته از بندِ خطر
در گذشتن آتش و آب است یکسان سایه را

از غمِ هجران گشتی سایه آسا ناتوان
بر زلیخا گر فگندی ماه کنعان سایه را

صحبتِ روشندلان اکسیرِ قلبِ عیبهاست
چون شعاعِ مهر سازد دورِ غلطان سایه را

سبز رنگ آن شوخ گل پوشم چو آید سوی باغ
میکند گویا برنگِ شاخِ ریحان سایه را

اختلاط ظالمان دارد خلشها بیشتر
بیحلاوت میکند خار مغیلان سایه را

* یہہ اور اسکے بعد کی غزل اصل نسخہ مین درج نہین تھی تذکرہ صبح وطن مولفہ نواب غلام غوث خان اعظم سے نقل کیگئی ہے ۱۲

یابد آسایش ز زلفا و دلِ مشتاقِ وصل
بیشتر جویند رونق تشنه کامان سایہ را

مستِ نازم افگند گر بر گلستان سایہ را
سرو قد خویش را چون جلوہ بخشد در نظر
در بیابان ہمسری با کوہ دارد حیرت است
میکند افتادگی آزاد از بند خطر
خاکساری خضر راہ او مگر گردیدہ است

چشم ہر کیفیش کند مثل خمستان سایہ را
آن کہ پنہان میکند از دورِ داماں سایہ را
بر لبِ دریا نسیمی کرد لرزان سایہ را
شیر با این رعب کی سازد ہراسان سایہ را
نیست در صحرا نوردی بیم نسیان سایہ را

وردِ نامت را چو رونق حرزِ جان دارد مدام
بر سرش پیوستہ نہ یا شاہِ جیلاں سایہ را

دل بغم ساز کردۂ ما را
شب کہ دمساز کردۂ ما را
سحر این ناز چہ نام نہیم
ای دلِ زار چون جرس فغان
مرحبا حسن بی نقاب باز ل

نالہ غماز کردۂ ما را
محرم راز کردۂ ما را
نظر انداز کردۂ ما را
ہمہ آواز کردۂ ما را
پردۂ راز کردۂ ما را

* یہہ غزل تذکرہ معدن الجواہر مولفہ مولوی مہدی واصف سے نقل کیگئی ۱۲

تماشائی شود آئینهٔ حسن بیحجابش را | کتان شد پرده های چشم عاشق ماهتابش را

محال است این که در عشقش دل و دینم بجا ماند | که باشد نشئه از موج جنون جام شرابش را

بصحرای مرا افگند چشم عشوه ساز او | که از خاک شهیدان رنگ می باشد سرابش را

خمار آلوده چشمی میشود غارتگر هوشم | که شد گهواره جنبان فتنهٔ بیدار خوابش را

ز دستم میبرد دل شهسوار برق جولانی | که از مژگان آهو داده والی شد رکابش را

بیک آهنگ دلکش مطرب مستان برد هوشم | اگر از ناله و آهسته آهنگی ربابش را

دل وارسته از اندوه و غم یارب که دید اینجا | چو پیدا گشت طفلی از الم آهی کشید اینجا

چه مشغولی بسیر باغ و ریحان و گل و نسرین | بیا ای شوخ از خون دلم گلشن دمید اینجا

کلید گنج معنی ساختی یارب زبانم را | ز یاقوت سخن رشک بدخشان کن دهانم را

شود کر گوش اسرافیل هم از شور فریادم | تغافل های او کرد این قدر افزون فغانم را

احوال تیره بختی ما را ز ما مپرس | خال رخ تو آئینه دار نشان ما

آواره گرد وادی عشقیم چون غبار | جز دامن نگار نباشد امان ما

※ بعدِ قتلم آن ستمگر بیوفای سنگدل
پا نهد بر سینه و گوید که دشمن زیرپا
نیست کس در جانگدازی مثلِ آن ثابت قدم
شمع میداند که آخر هست مدفن زیرپا

بصحرای جنون لب تشنه ام آبی نمی خواهم
لبِ خشکِ مرا سیراب میسازد سراب اینجا

ردیف با

نمیدانم چرا شد زرد رنگِ ماهتاب امشب
مگر آمد بگلشن شمعِ رویش بیحجاب امشب
بتاثیرِ نگاهِ چشمِ مستِ آتشین خوی
زهر اشکم بطغیانیست صد بحرِ شراب امشب
رواج از بس گرفت از دورِ چشم نشهٔ ایجادش
که ریشِ خویش را از می کند زاهد خضاب امشب
مگر افتاد عکسِ شوخیِ مژگانِ گیرایش
که باشد ماه چون گرداب اندر اضطراب امشب

صریرِ کلکِ رونق واکند گلهایِ معنی را
معطر شد مدادِ خامهٔ او چون گلاب امشب

نازم برفعت دلِ دیوانهٔ حباب
بر بام بحر یافت بنا خانهٔ حباب
آئینهٔ فلک شده خمخانهٔ حباب
جام جهان نما شده پیمانهٔ حباب
افتاد عکسِ عارضِ نیرنگِ او مگر
طاوس جلوه گه شده پیمانهٔ حباب

※ منقول از تذکرهٔ گلزار اعظم ۱۲

زد پشت پا بگو هر و سر ما یه ای بحر
شرمنده ام ز همت مردانهٔ حباب

چون دل تهی ز غیر شود جلوه گاه اوست
مملو شد از محیط از ان خانهٔ حباب

هر گاه وصف لعل دُر افشان یار کرد
شد رشته دار لعل و گهر دانهٔ حباب

رونق دلم گرفت بصحرا و بعد ازین
آرم بدست گوشهٔ ویرانهٔ حباب

عکس آن لعل شراب آلوده افتد گر در آب
جای نیلوفر دمد دایم گل احمر در آب

گریه چون آید ترا از ناله با پرهیز کن
میشود ضبط نفس غواص را رهبر در آب

پرتوی افگند شاید بر رخ مدار او
پیچ و تاب موج دریا گشت چون خنجر در آب

هر که پاس آبرو دارد نیامیزد به خلق
غرق گردید ستا زین باعث مگر گوهر در آب

گر نگاه مست او بر ساحل دریا فتد
پر ز می گردد صدفها جمله چون ساغر در آب

زعفرانی پوشش من گر جانب دریا رود
میشود دیگر حبابش چون گل اصفر در آب

کی رود بر باد شور ناله های عندلیب
گوش باشد گل پی سمع صدای عندلیب

بسکه مملو شد چمن از ناله های عندلیب
از هبوب بوی گل آید نوای عندلیب

در حقیقت ناز معشوقی نیاز عاشقی ست
در گلستان بین سر گل هست و پای عندلیب

عشق در آغوشِ خود سرسبز دارد حسن را
گل سرآراست از فیضِ همای عندلیب

ارتباط از بسکه میدارند باهم درمیان
آشیانی ساخت گل خود را برای عندلیب

نالهٔ عاشق کند غمخواریِ جانِ حزین
نیست غیر از آه و زاری آشنای عندلیب

سلکِ گوهر بسرا پاے نگارین امشب
مید هد جلوهٔ مهر و مه و پروین امشب

خون گل میکند از سیلِ سرشکم طوفان
دیده ام دیده بخواب آن کفِ رنگین امشب

رشته دارِ رگِ گل گشت سراپای تنم
بهم آغوشیِ آن ساعدِ زرّین امشب

بهرِ پابوسِ تو ای غارتِ آرامِ حزین
پردهٔ دیده نهادم بچه آئین امشب

همچو برفست برودت همه تاثیر در آب
سرو مهریِ فلک ریخت طباشیر در آب

تیغِ ابروی کسی کرد چه تاثیر در آب
جنبشِ موج بود جوهرِ شمشیر در آب

نظرش را بدل زار عجب کیفیتی هست
میشود طرفه تماشا چو فتد تیر در آب

دوش از خجلتِ آهِ دلِ محزونِ کسے
کهکشان گم بفلک گشت چو زنجیر در آب

ردیف تا

تیغ ابروی کسی

کفِ حنائیِ او ساغرِ شراب گرفت
می از بهارِ کفش طرفه آب و تاب گرفت

صبا بصحنِ چمن از رخش نقاب گرفت
تمام روی زمین را به ماهتاب گرفت

چو دید ریزشِ اشکم بدامن گلشن
سحاب را عرقِ خجلتش در آب گرفت

ز آهِ سرد مرا ذوقِ بربط و چنگ است
دلم ز نالهٔ خود عشرتِ رباب گرفت

بفصلِ پیری خود دل چو عشق او ورزید
ز سبز رنگِ خطش نسخهٔ خضاب گرفت

حنای پنجهٔ او ریخت خون بساغر من
ز دستِ یار دلم لذّت شراب گرفت

نگر ز سینه دلم برد و دوز دِ غمزهٔ او
که طفلِ اشک بدنبالِ او شتاب گرفت

ز رنجِ گردشِ لیل و نهار یافت نجات
چو رونق آنکه بدل اُنست از کتاب گرفت

تا بپای تو حنا رنگِ قدمبوسی ریخت
لختِ دل خون شد و از چشم زمایوسی ریخت

مسی آلوده لبِ یار چو آمد به خیال
پرتوِ شمع بکاشانهٔ ما طوسی ریخت

رفت بر بادِ فنا شورشِ این دیر خراب
عاقبت سرمه بکام و لب ناقوسی ریخت

بسکه از داغِ تو سر تا قدمم لبریز است
اشکِ من آبِ رخِ گلشن طاوسی ریخت

زده دنبالهٔ چشمش بدل من شبخون
حیف کین فتنه از ین گوشهٔ جاسوسی ریخت

باگران کار سبکسار نیفتد که هلال
بر فلک پیکرِ حمّالیِ معکوسی ریخت

عشق زاں آتشِ جاں سوز کہ پنہاں میداشت
شرری بود کہ بر صبرِ دلِ موسی ریخت
جادہ دنیا سپرِ تیرِ قضا سے گردد
عاقبت فوجِ اجل بر سرِ کاوسی ریخت

(نظم)

شمع رخسار در آمد چو بہ محفل رونق
طرح مینا پئے پروانۂ فانوسی ریخت

درخونِ دلم تازہ آں سیم تن انگشت
دارد چمن از غنچۂ گل در دہن انگشت
ازبسکہ بود محوِ تحیّر ز رخت شمع
چوں خار زحیرت شدہ یکسر بدن انگشت
سرمایۂ بخت ترا شہرتِ آفاق
دارد ز ندامت مہ نو در دہن انگشت
تا بردِ صبا نکہتِ زلفت زدہ از رشک
در دیدہ ز موئ نافۂ مشکِ ختن انگشت
تا ریختۂ رنگِ خرامِ قدِ رعنا
ہر جادہ باغ است بچشمِ چمن انگشت
تا رنگِ سخن ریختہ لعلِ تو بہ محفل
بر چشم زرگ داشت عقیقِ یمن انگشت

برگشتنِ رونق پئے اثباتِ شہادت
گردیدہ بدامانِ تو ہر ہر شکن انگشت

برنگِ کاغذِ رنگین دماغم تازہ و خشکست
بسانِ لالۂ گلزار داغم تازہ و خشکست
مگر بزمست گرم از آتشیں رخسارۂ ساقی
کہ ہمچوں ماہتاب امشب ایاغم تازہ و خشکست
بشب از حسرتِ لبہای آں دلدار گریانم
بیادِ لعلِ رنگینش چراغم تازہ و خشکست

بود ویرانهٔ دل از خیالش نزهت آبادی	که مانندِ فضای چرخ را غم تازه و خشکست

رخِ نیرنگِ جانان تا بچشم آمده **رونق**
برنگِ دیدهٔ سرشار با غم تازه و خشکست

عاشقان را نه فقط طالعِ ناساز بلاست	دل بلا دیده بلا گریه بلا راز بلاست
غمزه از یک طرف آراسته فوجِ خونریز	نه همین عشوهٔ آن دلبرِ طناز بلاست
خامشی پیشهٔ خود ساز که مانندِ حباب	اندرین بحرِ فنا جنبشِ آواز بلاست
همچو سایه برهِ عشق زمین گیر برو	که درین وادیِ آتش زده پرواز بلاست
مطربِ باده کشان بد دلِ زاهد را	شوخیِ نغمه بلا دم کشیِ ساز بلاست
صلح و جنگست ز حرفِ تو عیان در دلِ من	سخنِ تند بلا سستیِ انداز بلاست

شد برون از دلِ **رونق** هوسِ نقش و نگار
همچو طاوس بخود زینت و پرواز بلاست

پیرهن تا به قدش طرحِ هم آغوشی ریخت	خارِ حسرت بدلِ گل ز الم جوشی ریخت
گلِ خورشید هوس کرد که جامش گردد	تا بگلشن بدلش الفتِ مینوشی ریخت
دل تاسف برد از کم شدنِ قطرهٔ اشک	همچو آن کیسهٔ گوهر که ز بیهوشی ریخت
فلک از کاهکشان رشتهٔ گل می آرد	تا بجا طربِ من حسرتِ گلپوشی ریخت

ظرفِ زاهد از حوصلهٔ نشه نداشت | جامِ می از کفِ ساقی بفراموشی ریخت
بیشتر گشت تغافل نگاهِ شوخت | دُرِ گوشِ تو چه اسرار بسرگوشی ریخت

الفت آمد بجهان باعثِ زحمت رونق
شاخِ گل در چمن از آفتِ همدوشی ریخت

بیصرفه ز غفلت بکفِ پای تو خار است | در پردهٔ گل چون نگری جلوهٔ یار است
دریا و تو هر ذره بخورشید دوچار است | چون ننگرم غنچه دل و جانِ بهار است
از غیر نه بیند چو دفا سوی من آمد | ناخن زنِ طاقتِ دلِ بیصبر و قرار است
اندیشهٔ نظاره ز کس نیست رخت را | حیرت زدهٔ حسنِ ترا دیده نگار است
از منتِ پیراهن و اسباب چه پرسی | مو بر تنِ وارستهٔ دنیا همه بار است
زاهد تو و گلزار نعیم و من و آهی | اینجا بدلِ خون شدهٔ غم سرو کار است
بر باد شوی گر بروی از وطنِ خویش | اندیشهٔ پرواز بلای پر شرار است
چون عاملِ معزول که در بند نشیند | بر داشت سری هر که بعالم همه خوار است

در دامِ محبت همه عالم شده پابند
رونق دلِ آنشوخ چه پامال نگار است

شهیدِ نازِ ترا یک جهان تماشائیست | بحیرتیم که حسنِ ترا چه زیبائیست

نگاهِ شوخ ترا بسکه جوش رعنائیست
دل آب شد بغم و مایل شکیبائیست

مجوی صحبتِ کس گر فراغتی خواہی
که راحتِ دو جہاں در لباسِ تنہائیست

چو شمع داغ دلم پرتوی ہمی گیرد
نگارِ ماہِ رُخِ من بمحفل آرائیست

نگفتمت که دلِ ناتوان بدست آری
شنیدنِ سخنِ دوستان زدانائیست

بگرد و پیش دو دخلق ہمرہِ مجنون
نگر بدیدهٔ دل عز تی بر سوائیست

بفیضِ حضرتِ آگاه کلکِ ما رونق
بگلزمینِ سخن در بہار پرائیست

بدورِ ماہِ رخانم چه مشکل افتاد است
که رفت دل ز کف و خواہشِ دل افتاد است

نگاهِ شوخِ تو از بسکه قاتل افتاد است
بهر کجا که ببینیم بسمل افتاد است

بهر کجا که رود از نیاز عاشقِ او
چو سایه در قدمش تا بمنزل افتاد است

غبار را نبود این قدر رسائی ها
نگاهِ قیس بدنبالِ محمل افتاد است

چگونه بادِ صبا بر زمین نیندازد
که در چمن بر نیت گل مقابل افتاد است

که رفت بهر تماشای آب دریا را
ز شوقِ دیدنِ او سر بساحل افتاد است

بدستِ تو گلِ زخم آرزوست رونق را
بگردنِ تو چو ہارِ حمایل افتاد است

یک جلوه میتوان کرد و بتخانه التماسی است
نازی صنم بچشمت مستانه التماسی است

در بزم باده نوشان بی روی دلفریبت
مینا بگریه آمد پیمانه التماسی است

از زلف پیچ در پیچ زنجیر کن بپایش
ای نازنین ستم جو دیوانه التماسی است

در شهر نیست وسعت یک آه نارسا را
ای ناله شعله برکش ویرانه التماسی است

بر چاک دل نظر کن از مدتی به پیشت
از جوش بیقراری این شانه التماسی است

از بسکه آب دارد دریا دل آن پریرو
با اشک بیقرارم دردانه التماسی است

رونق بمحفل آمد آن شعله روی سرکش
با آه آتشینم پروانه التماسی است

رغبتی گر نه ز مژگان دلازاری هست
در دل از رشتهٔ انفاس چه اخاری هست

در عدم نیز بخاطر هوس یاری هست
بدل خون شده ام میل جفا کاری هست

ناله آهسته کنم رحم مرا می آید
که درین سینهٔ زارم دل بیماری هست

سخن تند چرا میست نگاهت کافی
عشوه کن اگرت خواهش پیکاری هست

اشک در دیده ام آئینه صفت شد حیران
چقدر رها بدلم حسرت دیداری هست

از شعاع است چه از رشته زنجیر به پا
گر نه خورشید بعشق تو گرفتاری هست

ششجهت جلوهٔ روی تو دهد دیده کجا
ورنه صحرا همه دریا دو تو گلزاری هست

حالِ دستار چه پرسی بفراقِ دلدار | سرِ ما همچو گهر بر تنِ ما باری هست

رونق آید بنظر تخت شهی چون سنگم
چترِ مشکین بسرم سایهٔ دیواری هست

بسکه نازش بارِ غمها بر دلِ شیدا گذاشت | ناتوانی در رهش ما را چو نقشِ پا گذاشت
آن شکار افگن قدم در عرصهٔ صحرا گذاشت | بیکسی در وادیِ تنهاییم تنها گذاشت
سوزِ دلهای پریشان را اثر باقی بود | یادگار آتشِ فرهاد در خارا گذاشت
دیگران را کارِ فردا داد امروز از کرم | عرضِ امروزِ من بیتاب فردا گذاشت
از زمین تا آسمان یک حلقهٔ دامست و بس | از جفای دورِ گیتی نیست کس را وا گذاشت
الفتِ صیاد می آرد مرا در دامِ او | بارها هرچند از اغماض بند از پا گذاشت
گفتمش از شورشِ مستان دماغم میرود | عشوهٔ در کار برد و پنبه بر مینا گذاشت
داد اهلِ بزم را جامِ مکرر ساقیم | چون بما افتاد نوبت ساغرِ صهبا گذاشت

وحشتِ مجنون بود رونق بصحرا تا بحشر
چشم پوشید و بجای خویش آهو را گذاشت

انفعالِ بیکسی هایم تماشا کردنی است | مایهٔ صیدِ دو عالم را مهیا کردنی است
حلقه های زلف را جانان گره وا کردنی است | بوی مشکِ نافه را بسیار رسوا کردنی است

رفته در ویرانهٔ درد انتظارش میکشم
عرض حال دل مرا با دوست تنها کردنی است

دست اندر حلقهٔ زلفش زنم امشب بشوق
نشئهٔ دیوانگی بار دو بالا کردنی است

تا شود آگاه از کیفیت نازک دلان
سنگ دلهای بتان را چو مینا کردنی است

زاهد افسرده را گر توان بردن ز خویش
آن نگار نازنین را محفل آرا کردنی است

نیست اندر عاشقانت اندکی بوی وفا
باز مجنون را بجانش رفته احیا کردنی است

گر تماشا میکنی چاک گل ها را بباغ
دلبر طاقت ربا را جامه زیبا کردنی است

نیست در عشق بتان رونق بجز ناکامئی
الفتی با ظالمان خون تمنا کردنی است

دیده ام حسن پریشانی بسامان گل است
در گلستان دست چاکی هست و دامان گل است

گر متاع بخت دل خواهی بدوکان گل است
لاله اندر باغ آتشهاے افغان گل است

آه روشن دل کجا با تیرگے مایل شود
بر فلک رنگ شفق دود چراغان گل است

یک نفس باشد تقابل عاشق و معشوق را
در حقیقت نالهای بلبلان جان گل است

سینه چاکان عدم را شورشی باشد مدام
غنچه در صحن چمن گرداب طوفان گل است

گرم جوشیهای ایشان را بنا شد فرصتی
گل بود مهمان باغ و رنگ مهمان گل است

باغ را چون بنگرم یک دیدهٔ حیرت بود
گل بجو و حیران و شبنم نیز حیران گل است

دیدنِ گل عاشقانرا یادِ رویت میدهد ‌ ‌ بر دلِ زارم بهجرانِ تو احسانِ گل است

میشود رونق هجومِ بلبلان چون بوی گل
آهِ ما در یاد رخسارش زخویشانِ گل است

دوش در محفل ادا آه شرربارم سوخت ‌ ‌ آب هرچند شدم جوششِ دلدارم سوخت
در برم آمد و از گرمیِ بسیارم سوخت ‌ ‌ از فلک شکوه ندارم که دلِ زارم سوخت
سوختن را بدلم منتِ دیگر باشد ‌ ‌ راحتی هست که آن یارِ جفاکارم سوخت
گر بهجرانِ تو سوزم نبود هیچ عجب ‌ ‌ مشکل اینست که لذتِ دیدارم سوخت
سالها شد که بدروازهٔ باغم محروم ‌ ‌ باغبان رحم دل از حسرتِ گلزارم سوخت
آتشِ دل نشود گاه به تسکین مایل ‌ ‌ چون نشستم بدرش سایهٔ دیوارم سوخت

حیرتِ حسن چه نیرنگ نماید که چو شمع
نشدم آگه و رونق همه دستارم سوخت

تا زلفش بخاطرِ ما اندوهگین نشست ‌ ‌ گردم بدامنِ فلکِ هفتمین نشست
تا حسرتِ لبش بدلِ انگبین نشست ‌ ‌ چون شمع سوخت ز آتشِ رشک و حزین نشست
افروخت تا عذارِ تو شمع بهار را ‌ ‌ پروانه گشت مهر و بگردش قرین نشست

*در فراقم نه هوای چمنی درکاراست
خلوتی - جام می گلبدنی درکاراست

در فنِ عشق به تعطیل نمی باید زیست
دلبری گرنبود دشمنی درکاراست

در فراغت بفراست تنِ عریان پوشی
بنگر از غور که آخر کفنی درکاراست

ردیف ثاء

مایلِ لعبتِ او شد دلِ ناشاد عبث
آنکه صد بنده بهر دم کند آزاد عبث

با نگاهِ غضبت خنجرِ جلّاد عبث
پیشِ موی مژهام خامهٔ بهزاد عبث

کاش بر صفحهٔ دل صورتِ شیرین بستی
بر سرِ سنگ تو و محنتِ فرهاد عبث

بیوفا هستی و عالم همه نالانِ تو اند
در دلِ من هوسِ عشقِ تو افتاد عبث

نیست جز دیدهٔ تر لذّتِ کوثر حاصل
چند ای شیخ کشی زحمتِ اوراد عبث

میتوان از نگهی کارِ مرا آخر کرد
بر منِ زار کنی این همه بیداد عبث

نیست رونق اثری در دلِ سنگینش هیچ
میکنی بهر چه شبها همه فریاد عبث

میشود آئینه همزانو بجانان الغیاث
شانه شد گستاخ با زلفِ پریشان الغیاث

*معدن الجواہر سے نقل کیگئی ۱۲

می طپد دل در برم از درد هجران الغیاث
جز امید وصل نبود هیچ درمان الغیاث

آستین در دست دیگر میرود خندان بناز
میکشد از دست این آواره دامان الغیاث

سوی من چون بنگرد چین بر جبین خود زند
میشود خرم بدیدار رقیبان الغیاث

گل پریشان لاله پر خون سرو در حیرت بود
یکدل خرم نباشد در گلستان الغیاث

میرسد صد فصل گل بر باد و من در حیرتی
تا بکی باشد سرم اندر گریبان الغیاث

نیست جز فریاد رونق چارهٔ درد دلم
هست جمعیت ده آشفته حالان الغیاث

ردیف جیم تازی

عارض روشن او نیست بافشان محتاج
صبح نوروز نباشد بچراغان محتاج

دل حیرت زده با گریه کجا پردازد
نشود گلشن تصویر بباران محتاج

لب لعل تو چرا منت پان بردارد
آتش لاله نگردید بدامان محتاج

جام می نیست غرض شیفتهٔ چشم ترا
محو روی تو نگردد بگلستان محتاج

منعمان بهر گدا منت غیری نکشند
بحر از بهر صدف گشت به نیسان محتاج

ساقیا ساغر لبریز بمن ده نشود
چشم گریان بسوی ابر بهاران محتاج

غنچه سان واشود از خویش دل من رونق

عقدهٔ خاطرِ من نیست بیاران محتاج

بسکه شد اندر سرشت این گنبدِ دوار کج
کهکشان کج ماه کج عقرب کج و رفتار کج

خوبتر از راستی گردد ز وضعِ یار کج
چون گذارد بر سر خود طرهٔ دستار کج

میشود کج رو بسوی راستی رهبر مدام
حلقه آید راست باشد گرچه در پرکار کج

کج کلاهی میکند بر مسندِ خود از غرور
بیشتر باشد ز بس در طینت زردار کج

میشود دل محوِ عشق کج کلاهی امشبم
بر فلک پرواز کرده آهِ آتشبار کج

عشق را لازم بود پیوسته همرنگیِ حسن
میکند بلبل ز وضعِ شاخِ گل منقار کج

ظالم آخر میشود رونق خجل از جورِ خویش
میشود از درد اندر پا خلیدن خار کج

ردیف جیم فارسی

تسکین نشد بگریه دلِ بیقرار هیچ
از سیلِ اشک هم نه نشست این غبار هیچ

خواهم یکی بناوکِ مژگانِ او زخم
دل راحتی ز غم نکند نوکِ خار هیچ

دارم تاملی بچه تشبیه او دهم
شد زخم گل مقابلِ جانِ فگار هیچ

در باغِ این جهان بچه دل خوش کند کسی
گل هیچ غنچه هیچ خزان و بهار هیچ

سویم رسید یار و ندامت همی برم
جز دل نمانده است برای نثار هیچ

در بستنِ شکستنِ آں طرفگی بود — ایں توبۂ نست چو پیمانِ یار ہیچ

رونق بغیرِ آہ نداریم ساز و برگ
جز سوزِ دل نماند متاعِ شرار ہیچ

ردیف حاء

در فراقِ مہر رویش اشک ریزانم چو صبح — گل کند خورشید از چاکِ گریبانم چو صبح

زخمِ دل بہ شد ز موی زلف پیاز در رفو — رشتۂ خطِ شعاعی چاکِ دامانم چو صبح

شد دلِ من آنقدر روشن بہ فیضِ عشقِ پاک — مظہرِ انوارِ آں خورشید تابانم چو صبح

ناتوانی مانعِ نظارۂ رویش بود — دست و پا گم کردۂ شوقِ گلستانم چو صبح

خواستم ہر چند تا در پردہ دارم سرِّ خویش — از صفای دل عیاں شد رازِ پنہانم چو صبح

نیست تاب و طاقتِ بیرون شدن از دامِ او — بستۂ زنجیرِ آں زلفِ زرافشانم چو صبح

ہر کہ می بیند مرا دل چاک میسازد بغم
نیست غیر از لختِ دل رونق بسامانم چو صبح

بدستِ خویش اگر گیری ای نگار قدح — شود ز روے تو آئینۂ بہار قدح

بیا بہ محفلِ رنداں بدست آر قدح — بانتظارِ تو گردید چشمِ زار قدح

کجا علاجِ فراقش بہ میکشی آید — بہ ہجرِ دوست فزاید مرا خمار قدح

بیا به محفل ما زاهد اندکی دارد | برای غارت هوش تو انتظار قدح
بنوش ساغر می گر کدورتی داری | بفیض باده بر دار از دلت غبار قدح
دمیکه روی تو از باده بر فروزد رنگ | ز جوش شوق کند خویش را نثار قدح

چه قسمت است مرا از ازل نگر رونق
بجای قطرهٔ می ریزدم شرار قدح

ببین

ردیف خاء

میتوان گشت بصد بار به جانان گستاخ | نتوان حرف زدن که به رقیبان گستاخ
دسترس نیست چه سازم من بیچارهٔ غم | شانه گردید بآن زلف پریشان گستاخ
پشت پا میزند از ناز و عتاب آنشوخم | گر بگیرم برهش گوشهٔ دامان گستاخ
دور باش مژه گر مانع جرأت نشدی | چقدر میشدم افسوس بجانان گستاخ
بچه تدبیر در آغوش من آید آن شوخ | برخش وا نتوان کرد چو مژگان گستاخ
پیچ و تابی بدلش گر نشدی از من زار | میزدم دست بر آن کاکل پیچان گستاخ

گر رسد فصل بهار از سر عشرت رونق
میشوم باز بدلبر بگلستان گستاخ

ز جوش نشهٔ صهبا تر است چشمان سرخ | مرا ز قطرهٔ خوناب اشک مژگان سرخ

بخونِ دیدهٔ عشاق کردهٔ رنگیں
دگر نه این قدرت از چه گشت دامان سرخ

چه رشکهاست بهم حسنِ خوب رویان را
که گشت رنگِ رخِ یار در گلستان سرخ

چگونه خون نشود در کفش دلِ عاشق
حنائی پنجهٔ او کرد گوی و چوگان سرخ

چگونه سرخ نه گردد رخِ تو در خوبان
که تکمه سرخ قبا سرخ هم گریبان سرخ

زتابِ روی تو خاموش گشت آتشِ آه
به پیشِ مهر بجا میشود چراغان سرخ

کدام شوخ دلت میبرد ز کف رونق
که باز دیدهٔ زارِ تو شد بهجران سرخ

ردیف دال

گر بمحفل صفتِ تیشهٔ فرهاد کنید
سینه چاکان ز سرِ ناخنِ یاد کنید

چون نگاهی بچمن برگل و شمشاد کنید
از رخ و قامتِ دلجوی کسی یاد کنید

عاشقان گر بچمن خواهشِ گلگشت بود
لاله در باغ به بینید و دلی شاد کنید

گر بخاطر هوسِ بوسهٔ پایش باشد
خویش را در سرِ کویش همه برباد کنید

بعد مدت دلِ او مایلِ تصویر افتاد
زود موی مژه را خامهٔ بهزاد کنید

نامهٔ مرگ رسیداست ز درگاهِ عدم
چشم پوشیده بفرمانِ اجل صاد کنید

همچو رونق باسیری همه خرم باشید

در قفس نیز دعا در حق صیاد کنید

اگر بیداری بخت تو زاهد یاور گردد
بسوی گوشهٔ میخانه ساقی رهبرت گردد

گوارا نیست بال افشانی نامحرمی پیشت
دل دیوانه ام اکنون سپند مجمرت گردد

نمایم تختهٔ یاقوت صحن آستانت را
که بال افشانی دلهای پرخون یاورت گردد

غرور جاه دنیا نیست شایان توای منعم
که بر باد زوال این مایهٔ کر و فرت گردد

تواضع پیشه کن گر اوج دولت را بقا خواهی
که همچون نقش پا روی زمین فرمانبرت گردد

زخون خویشتن رنگین نما رونق تو دامانش
که در روز جزا بر قتل او تا محضرت گردد

لبش از مستی دهان غنچهٔ نیلوفری باشد
تبسم حسن او را در ملاحت پروری باشد

بت غارتگر هوشی بمن در دلبری باشد
که نقش پای او آئینهٔ حسن پری باشد

بلا گردان حنایش شد ز دست مهر و مه گردون
بلال اندر کف و حلقهٔ انگشتری باشد

بپیش قامتش سرو سهی خم گشته از حیرت
بشوق عارضش گل محو پیراهن دری باشد

کجا موج گهر آئینهٔ تمکین او گردد
زمین بوس خرام یار من کبک دری باشد

هوای بوسه اش در عرصهٔ امکان نمی گنجد
بهای رونمایش صبر و جان مشتری باشد

خراب افتاد رونق خانهٔ دل چون خم صهبا

نگاهِ ساقی ما بسکه در غارتگری باشد

زبسکه گریهٔ دل را دمی قرار نماند — چو گرد باد بچشمم بجز غبار نماند
نشانِ فصلِ گل از جورِ روزگار نماند — بغیر دیدهٔ ما هیچ آبشار نماند
ز سرد مهریِ اربابِ روزگار مپرس — درونِ سنگ ز تاثیرِ آن شرار نماند
گداخت آتشِ هجرش مرا که از تنِ من — بغیرِ سیلِ سرشکی چو آبشار نماند
خمیر مایهٔ این باغ عبرت و الم است — کشود چشم گل و موسم بهار نماند
سبو بدوش و صراحی بکف پیاله بدست — هزار شکر که ساقی به ننگ و عار نماند

زفیضِ پیرِ مغان رستم از الم رونق
بعقل و هوش مرا هیچ کار و بار نماند

هر داغِ دلم رشکِ شرار است ببینید — دل سوختگان طرفه بهار است ببینید
عالم همه آغوش و کنار است ببینید — جانان که سرگرم گذار است ببینید
در گلشنِ امکان طرب و عیش غم افزاست — خندیدنِ گل بر سرِ دار است ببینید
گردِ رهِ او سرمه کشِ دیدهٔ آهوست — بر توسنِ شوخی که سوار است ببینید
نه شیشهٔ افلاک بیک جرعه کشیدم — یاران بسرِ من چه خمار است ببینید
در پرده چو بوده دلِ عشاق همین برد — بی پردگیِ او بچه کار است ببینید

هر کس که دو چار است دریں کشورِ خوبی
ای بی بصران اینهمه یار است ببینید
هر چند که پروانه فنا گشت بیک دم
اندر دلِ هر شمع چه خار است ببینید

صیاد چو بسمل طپد از کشتن رونق
در وادیِ عشق این چه نگار است ببینید

مجو مناسبتی خسروا تو با فرهاد
کجاست دامنِ آلوده و کجا فرهاد
برابری نتوان کرد پیشِ با فرهاد
ز رشکِ ما زده بر فرق تیشه را فرهاد
شود ز تابِ نگاهش چو آب سینهٔ کوه
فتاد کار بسنگین دلی مرا فرهاد
بغیر دلبرِ عاشق نواز دل نه دهی
بپوش چشم ز دلدارِ بیوفا فرهاد
ز کم نگاهیِ او آنقدر ستم دیدم
ندیده است ز شیرین چنین جفا فرهاد
رضای خاطرِ او میتوان مقدم داشت
که نیست خشم بیار این قدر روا فرهاد

شکستِ دل بره عشق رونقی نبخشد
زده است تیشه بسر از الم بجا فرهاد

سپاهی را بدنیا اینقدر اسلوب می باید
سلاحِ خوب و اسپِ خوب و آقا خوب می باید
باین سه چیز گر ممتاز گشتی جاودان اید ل
ترا در جنگِ دشمن طاقتِ ایوب می باید
ظفر چون یافتی بر فوجِ خصم از رنج و محنتها
ترا با ساغرِ می دلبرِ محبوب می باید

نخواهم گفت یا این ناصحان سوء رسائی را | زکم ظرفان همیشه راز دل محجوب می باید

تمیز و عقل رونق مرد را دارد بناکامی
زبهر سیمی ها حالت مجذوب می باید

ایدل قدح شراب آمد | برخیز که آفتاب آمد
مطرب شب ماهتاب آمد | رنگی بگل رباب آمد
تا چشم زدن فناست بنگر | هستی مثل حباب آمد
واعظ بردار دفتر خویش | از گریه هجوم آب آمد
مینا رسنگ ریخت ساقی | رحمش بدل خراب آمد
وصفش گفتیم و داد دشنام | از دوست چه خوش جواب آمد
از شکوه گذشت یار از جور | کردیم خطا صواب آمد
می خورد و زخویش رفت بیرون | سنگی بسر حجاب آمد

رونق ز ازل برای مستان
از لخت جگر کباب آمد

چون روی تو بی حجاب گردد | چشم قدح شراب گردد
گر آئینه در کف تو آید | آتش بوی گلاب گردد

از جوشش شوق باده ما را — دل در خم می حباب گردد

در سیل سرشک چشم زارم — چون کاه بروی آب گردد

از نازکی دلم چه پرسی — این خانه به نم خراب گردد

گر شاهد غیب رخ نماید — هر ذره چو آفتاب گردد

داغ دل من به عشق رونق
چون نقطهٔ انتخاب گردد

شب که در بزم تو ما را ناله سیر آهنگ بود — هر نفس بر شیشهٔ دل آه مثل سنگ بود

دوش کان زلف زرافشانش مرا در چنگ بود — افعی دور فلک را طرفه با من جنگ بود

کاش پیدا میشدی از بهر دل جای دگر — عرصهٔ هستی بجولان شرارم تنگ بود

بعد ازین در حسن بیرنگ کسی دل میدهم — الفت این نوخطان آئینه ام را زنگ بود

در هوایش جمله ذرات جهان سرگشته است — یا رب آن حسن ازل را طرفه این نیرنگ بود

در گلستانیکه ان تمکین اثر کردی خرام — از نگاهش بوی گل آئینه دار رنگ بود

طرفه عزت داشتم رونق بعالم پیش ازین
نقش پای در سر راهی مرا اورنگ بود

پرده از رخ کشیده می آید — گلستانی بدیده می آید

گر بدستِ تو گل رسد بچمن
خار در دل خلیده می آید
از رخِ غیر دیده می پوشد
هر که روی تو دیده می آید
مژده ای دل که آن ستم ایجاد
بهر قلت رمیده می آید
یا فتم از هراس و خوفِ رقیب
گلِ وصلِ تو چیده می آید
صیتِ حسنِ تو بر فلک هم رفت
ماه پشت خمیده می آید
رنگِ عیشی بدهر نیست که طفل
دست حسرت گزیده می آید
محوِ عشقِ رخِ تو شاید گشت
بوی گل آرمیده می آید

چون سحر باز پیشِ تو رونق
جامهٔ خود دریده می آید

یادِ عیشی که بخاطر هوس یاری بود
دلِ بیمار مرا مونس و غمخواری بود
حسنِ زیبای ترا بسکه خریدار شدیم
از گرفتاریِ ما گرمیِ بازاری بود
بیغرض نیست درین دهر کسی را الفت
شاید از دیدنِ آئینه ترا کاری بود
خالی از دردِ محبت نسرشتند دلے
گر گلی رُست درین باغ بدل خاری بود
همه شب نوحه و فریاد بگوشم آمد
صبح دیدم که فغانِ دلِ بیماری بود
از پریشانیِ عالم با ماں می بودم
مایهٔ جمعیتم طرّهٔ طراری بود

رونق از چرخ عبث شکوه نمودم که مرا
باعثِ رنج والم میلِ دل آزاری بود

روی خود را چو در آئینه تماشا می کرد — غمزهٔ شوخ تلاشِ دلِ شیدا میکرد

شانه چون حلقهٔ زلف سیهت وا میکرد — بوی صد نافه بیک تارِ تو سودا میکرد

دلِ وحشت زده را مایهٔ تسکین گشتی — باغبان طرحِ چمن کاش بصحرا میکرد

یادِ روزی که بجور و ستمت نالهٔ من — شورِ محشر بسرِ کوی تو برپا میکرد

شیشه گر عید مهیا به چمن شیشه و جام — انتظارت چقدر خون بدلِ ما میکرد

پا بن همرنگیِ خود مانعِ او شد ورنه — بوی گل را به چمن روی تو رسوا میکرد

هفت کشور بکف آورد و ندیده مرشی — کاش اسکندرِ رومی بلبی جا میکرد

شیشهٔ می چه قدر مستیِ دل افزاید — اگر دنِ ساقیِ ما نشّه دو بالا میکرد

یادِ جمعیت و عیشی که برغمِ حاسد
دلِ رونق بسرِ زلفِ تو ماوا میکرد

رخِ تو در نظرِ آئینه وار می آید — بسادگی چه قدر راز تو کار می آید

بکامرانیِ گیتی کجا دمی فرصت — متاعِ عیش بدوشِ شرار می آید

بکامِ خاطرِ دیوانگان گذشت سپهر — جنون کنیم که دیگر بهار می آید

مپرس حرفِ تمنای خود ز دیدهٔ من
بجای اشک دلِ بے قرار می آید

به عاشقیِ تو ضرب المثل شدم بجهان
ترا هنوز ز نامم چه عار می آید

بعشق او دلِ دیوانه بیخودی تا چند
بجوشش آکه بعرق تو یار می آید

نیاید از کفِ صد قیس و کوهکن رونق
بعشق انچه ز دستِ غبار می آید

منعمان چون بزر و مالِ جهان دل بستند
گوهری سیر ندیدند که محمل بستند

عاشقان تا بسرِ کوچهٔ او دل بستند
از دمِ تیغ تو بر دوش حمایل بستند

چه قدر راست تمنای شهیدانِ وفا
دیده را در هوسِ چهرهٔ قاتل بستند

میتوان گشت بیک ناله بجانان واصل
درمیانِ من و او آه چه حایل بستند

عالمِ وصلِ بتان را که ندارد بدلے
بیخودی طرفه طلسمی به مقابل بستند

هر که نظارهٔ آن کرد بوحشت پیوست
چه طلسمیست که بر دیدهٔ بسمل بستند

همچو نقشِ قدم افتاده ام از غم رونق
پایم از سلسلهٔ جادهٔ منزل بستند

جوی* از وسعتِ دل وام کردند
سر رشتِ چرخ مینا فام کردند

* یہ غزل اور اسکے بعد کی غزل دونوں دیوان میں موجود نہیں ہیں تذکرۂ صبح وطن سے نقل کیگئی ہیں ۱۲

شرار آسا دمی فرصت ندارم — که آغاز مرا انجام کردند

نمود انتخاب رنگ هستی — بنقش چهرهٔ گلفام کردند

فراهم کرده حسرتهای یک خلق — بصحن این چمن گل نام کردند

بچشم مست او چون همسری کرد — مشبک دیده بادام کردند

همه اعضای انسان یافت تسکین — مگر دل را چه بی آرام کردند

کریمان را عجب تسخیر دلهاست — خطوط دست احسان دام کردند

لسان مردمک رونق در آغاز
سیه بختی مرا انعام کردند

بازم هوای الفت جاست بلند شد — آه رسا بقصر فلک خوش کمند شد

رسم جفا بپیش بتان چون پسند شد — پامال مثل سایه دل مستمند شد

دیگر فراق زخم دل دردمند شد — هر ناله ام چو شعلهٔ آتش بلند شد

زنجیر زلف کیست دگر دام عاشقان — محو فغان و ناله چو دل بند بند شد

هردم بوعده های وصال است حیله ساز — آن شوخ دلنواز چه گویم که چند شد

زاهد چو کرد گریه به شرب می مدام — مینا ز جوش باده برو ریش خند شد

نوشین لب کدام لبت را نواخت باز

ز ذوق حلاوت سخنت رشک قند شد

میکشان نقش و نگاری که به مینا زده اند
وا شود تا مژهٔ شیشه به خارا زده اند

نقطهٔ خال که بر عارض زیبا زده اند
داغ سوداست که آنرا بدل ما زده اند

میتوان یافت ز خارای شبیه شیرین
گلرخان سنگ جفا بر دل شیدا زده اند

خواهش وصل محالست که این دلجویان
پشت پای ز هوسها بسر ما زده اند

گرد باد از سبب تنگی جا بر خیزد
بستگان سر زلف تو به صحرا زده اند

طرفه نازیست که این خوش نگهان رعنا
طعنه از لب میگون به مسیحا زده اند

انچه در ذوق تماشای چمن دیدم این است
نقش عبرت بسر صفحهٔ گلها زده اند

دوش سوی چمنی بی تو گذارم افتاد
خنده زد گل بادا یکه شرارم افتاد

تا که اندر نظر آن لاله عذارم افتاد
هوس سیر گل و باغ و بهارم افتاد

همچو بیمار عزیزی که بدستش دارند
الفتی طرفه مرا با دل زارم افتاد

کف رنگین تو در دست رقیبی دیدم
آتشی بود که در جان فگارم افتاد

خواب آرام بچشم تو رقیبا ارزانی
جلوه گاهش دل بیصبر و قرارم افتاد

خلش آن مژهٔ تیز بدل یاد آمد
شبکه در رهگذری پای نگارم افتاد

سرخوش آمد بسرم یار و دل از رونق برد
ہی بگیرید کہ مینا ز کنارم افتاد

کدام غارت سامانِ ہوش می آید
غبار در نظرم گل فروش می آید

بقصدِ خونِ کہ آن سرخ پوش می آید
کہ نالۂ دلِ زارم بہ گوش می آید

اگر نہ کوہ ز سنگِ دلش بہ فریاد است
چرا ہر نفس از وی خروش می آید

دریں جہانِ پر آتش سپند سان یارب
کسی کہ نالہ بر آرد خموش می آید

چو نیست اہل دل مردہ دل دریں عالم
جنازہ سان بچہ صورت بدوش می آید

اگر نہ دیدۂ من گشتہ چشمۂ سیماب
چرا سرشک بہر دم بجوش می آید

مدہ بشعر کسی نسبتی مرا رونق
کلام من ز ندای سروش می آید

بتان کہ کارِ رقیبانِ خود تمام کنند
بگردشِ نگہی روز ما چو شام کنند

دمیکہ بادہ کشان فکرِ انتقام کنند
نمودہ خون دلِ افلاک می بجام کنند

دگر محال کہ مہ پارہ چنین کسان نہ شود
شبی کہ ز رقیبان ہوای بام کنند

خوش است حلقۂ آن زلفِ تابدار بتان
پی گرفتنِ عاشق چو فکرِ دام کنند

فلک دہد ز مہِ نو بدست شان تیغی
ستمگران چو بدل عزمِ قتلِ عام کنند

چه مستی است سراپای نازنینان را | شراب جوش زند هر کجا خرام کنند

به پختگی کلامت نمی‌رسد فکرے
معاصران تو رونق خیال خام کنند

در سرم تا هوس نرگس بیمار افتاد | فکر جمعیت در دامن دل زار افتاد
وصل او ساعتی آرام دل زار افتاد | چه قدر کار مرا با غم دلدار افتاد
تن بسختی ده اگر عافیتے می‌خواهی | گل کجا تازه بود چون بکف خار افتاد
یا رب این مار سیه را چه قدر باشد زهر | دست از زلف نبردیم که از کار افتاد
چتر فردوس برین و سر زاهد خوش باد | خاطرم مایل آن سایهٔ دیوار افتاد
بهر مشق ستم اولی است رقیب گستاخ | جان من گر بدلت خواهش آزار افتاد

کی شود رونقم آزاد ز دام نگهت
چشم مخمور تو بسیار سیه کار افتاد

گل اگر دیده لب های تو وا میسازد | برگ را بر رخ خود دست حیا میسازد
بکف پای تو گر رنگ حنا میسازد | خار حسرت بدل خستهٔ ما میسازد
نه شقایق نه گل و سبزه نه نرگس نه نسیم | با چمن مایل روی تو کجا میسازد
شادی و عیش و طرب را چکنم آه بدل | خار مژگان کسی نام خدا میسازد

لطف و اشفاقِ تو با بوالہوساں ارزانی
بدلِ غمزدہ ام خارِ جفا میسازد

گاہ روی تو نہ بیند زجفای گردوں
ہرکہ از کوی توام یار جدا میسازد

ہر سحر طرفِ چمن مسکنِ ما میگردد
کہ بوحشت زدگاں بادِ صبا میسازد

گر ہمین است بدنیا ثمرِ باغِ وداد
بچہ امید کسی مہر و وفا میسازد

رونق اندوہ مخور از ستمِ دورِ فلک
چارۂ در دولت غوث ورا میسازد

مژدہ یاراں نگار می آید
بعد سالی بہار می آید

ای دل خستہ یار می آید
صبر و عیش و قرار می آید

فرصت یک دم این قدر جولاں
خندہ ام بر شرار می آید

خوں شدن یا بخاک غلطیدن
دیگر از دل چہ کار می آید

از فلک گر فروتن آید پیش
سنگی بر نگار می آید

چشمِ خود را ز دیدنش پوشم
از غنی بسکہ عار می آید

گوہر اشک جملہ از کف ریخت
دل برای نثار می آید

گی ز تیر و سناں کشاید کار
انچہ از نوکِ خار می آید

زود پہلو تہی کنی اے برق

رونق بیقرار می آید

برنج است آنکه دلدارے ندارد ‌ ‌ ‌ ز مژگانی بدل خارے ندارد

کسی کو الفت یارے ندارد ‌ ‌ ‌ دلم جز دوستی کارے ندارد

حباب آسا سبکبارے است خرم ‌ ‌ ‌ بفرق خویش دستارے ندارد

مرا چوں گل جگر صد چاک گردید ‌ ‌ ‌ دلت چوں غنچه آزارے ندارد

بحشر آبرو یش از چه باشد ‌ ‌ ‌ هر آں کس دیدهٔ زارے ندارد

به بیداری دلم چوں شعله لرزد ‌ ‌ ‌ که چشمان شرربارے ندارد

نیابد رونق از غم راحت آنکس ‌ ‌ ‌ دل زاری شب تارے ندارد

ردیف ذال

از کسی هرچه خواهم من رشید اتعویذ ‌ ‌ ‌ چشم بیمار تو بخشد به مسیحا تعویذ

مینویسی پیم اید وست بسودا تعویذ ‌ ‌ ‌ عاشقی را چه سرو کار بود با تعویذ

گر باشفتهٔ آں چشم سیه در بانے ‌ ‌ ‌ کن رقم بر ورق نرگس شهلا تعویذ

گوشهٔ دامن او بهر علاجم کافی است ‌ ‌ ‌ بزن ای یار دگر بر سر ملا تعویذ

بوسه گر کیف آید ز لب شیرینش ‌ ‌ ‌ کا[illegible] دیوانه بود شکر مداوا تعویذ

ای پریخواں بجالت شوم انگه قایل
گر به بندی بسرِ آہوی صحرا تعوید

ہرکہ بیمارہ و پریشاں دل و آشفتہ بود
ہست رخسارۂ آں آئینہ سیما تعوید

نیست جز حسرتِ دیدار غباری در دل
بس بود پارۂ آں آئینہ مارا تعوید

زہرہ در پہلوی تو دیدہ ام ای رونق نیست
ہست بر ساعدِ دلدار چہ زیبا تعوید

چوں نوشتیم بآں دلبرِ گل رو کاغذ
ہمچو اوراقِ گلستاں شدہ خوشبو کاغذ

عشوۂ ہست میانِ من و او واقفِ راز
میفرستد بمن از گوشۂ ابرو کاغذ

گر بوحشی نگہاں نامہ نویسم گاہے
چہ عجب گر بشود دیدۂ آہو کاغذ

بہرِ تسکینِ دلِ زار خیالے دارم
کی نویسد بمن آں کافرِ بدخو کاغذ

دہنِ مار بنا چار نمائیم دوات
گر نویسیم بآں حلقۂ گیسو کاغذ

عرضِ احوال تواں کرد بسویش لیکن
میدہد سیلِ سرشکم ہمہ در جو کاغذ

رونق از تندیِ خویش چہ نویسم دیگر
سرِ قاصد طرفی ماندہ بہ یک سو کاغذ

ردیف راء

بس است حلقۂ گیسوے دلربا زنجیر
وگرچہ کارہ بود دوستاں مرا زنجیر

فتاد تا بجنون کارم آه با زنجیر
ز شور نالهٔ من گشت بی صدا زنجیر

خیال زلف تو خوش میکند دل ما را
وگرنه جنبش پاے کند رها زنجیر

فغان و شورش دیوانه ام دو بالا شد
رسید تا بفراقت مرا به پا زنجیر

بیا بنهفت بزندان یکی تماشا کن
کجاست این دل دیوانه و کجا زنجیر

ز بسکه حسن تو دیوانه کرد عالم را
برهگذار تو افتاده جابجا زنجیر

ز قاصدان نکشم بار منتے دیگر
هزار حرف پیام کند ادا زنجیر

وفا پرستی مجنون رسید در جاے
هزار ناله کند چون شود جدا زنجیر

چو دید حالت رونق بهجر یار کشید
ز بیقراری دل نالهٔ رسا زنجیر

در دل از آتش عشق صنمی اخگر دار
نفس سوخته چون شعلهٔ خاکستر دار

ای هنرمند ز سرمایهٔ خود جوهر دار
بی قبای تن پیراسته چون گوهر دار

صاحبدی طرفه تسلی ست نگر بیکس را
دل خوشنود بغم چون علی اصغر دار

همت از هرکه بود شیمهٔ حیدر باشد
در هواداری او پیروی قنبر دار

حسن ظاهر بصفای دل آراسته کن
رنگ و بو هر دو مساوی چو گل احمر دار

ماتمی را بتماشاے چمن کاری نیست
وادی سبز تر از باغ ز چشم تر دار

زیر خاک ار شوی از فلک گبندی مگذر
گر شوی نقش قدم حوصلهٔ نیسر دار
هوس نرم و کوثر منما بجهر خدا
قطرهٔ آب ازان خنجر ابرو بردار

پاکدامن شو و در عشق بتان خاطر خواه
رونق از داغ بکاشانهٔ دل اختر دار

صاف بندی ست خوبی اشعار
خاک بر فرق دقت گفتار
دیدن صاف در ردی این رمز
میکند بر دقیق گو اظهار
لیک آن را لطافتی باید
ورنه زان گفتگوست لازم عار
کن نگاهی دقیقه بند سخن
در کلام فلانی خوان بار
فهم مضمون اوست بس مشکل
گشت تشخیص معنیش دشوار
وقت شعر بود مرغوب هم
گر دماغ چاره ازین مرا بیزار

مختلف شد مزاجها رونق
چه ضرور راست این قدر انکار

گردد قبول بارگهش آه در سحر
گیرد گشاد نالهٔ جانکاه در سحر
در هر قدم مقابل رویش زجا روم
همچون مسافری که رود راه در سحر
با آتشین نفس نتوان همزبان شدن
گم میکند تجلی خود ماه در سحر

فریادِ عاجزانِ پریشان که بشنود
گر بر پلنگ خواب کند شاه در سحر

اکسیرِ اعظم است برنگِ سفیدِ صبح
بنگر زشب زباده شود باه در سحر

از زلف و دل بر آمده رسوا چهره شد
گردد گرفته دزدِ شباهنگاه در سحر

درماندگانِ غفلتِ شب راهی کند
بیدار اسمِ اعظمِ الله در سحر

هرکس بقدرِ ظرف از آن کام دل برد
یک نام دوست است بافواه در سحر

رونق نگر بدیده دل تا شود عیان
تا بدستاره سان دل آگاه در سحر

مژده ای یاران که مستم در بهار
ساغر و مینا شکستم در بهار

گاه گلشن آمد بدستم در بهار
با مغانی عهد بستم در بهار

توبه تقوی نه شکستم در بهار
می پرستم می پرستم در بهار

گاه مخمور دگه پیمانه نوش
گاه عاقل گاه مستم در بهار

پیش ازین پروای تنگی داشتم
از جنون زین قید رستم در بهار

در خیالِ نشهٔ بنگِ خطش
گر بلند و گاه پستم در بهار

همچو خالِ گلرخانِ سیم تن
تیره از روزِ الستم در بهار

میکنم با دخترِ رز عقدِ خویش
چون ز کاخ زهد جستم در بهار

ردیف زای تازی

نگویمت که به مینای می شراب انداز — بنای صبر و خرد را وگر به آب انداز

تبسمی کن و در ساغرم شراب انداز — ز کان لب نمکی بر سر کباب انداز

گره گشاده شد از کار عالمی دیگر — به موی زلف تو یکبار پیچ و تاب انداز

ز تند باد طلسم فنایش ایمن کن — فروغ عارض خود در دل حباب انداز

به آب دیدهٔ عاشق برابری دارد — نگاه گرم یکی بر سر سحاب انداز

به بزم وصل دلا این قدر تحیر چیست — بجای آب شراری بچشم خواب انداز

فروغ رنگ رخت غافل این قدر گوید — که آتشی بهوس موسم شباب انداز

هزار دعوی بیجا کند به پیش لبت — شرار در دل یاقوت از جواب انداز

بغیر دیدهٔ رونق سرای حسن تو نیست
به بزم بوالهوسان گر روی نقاب انداز

نگهت راست بآئینه سرو کار هنوز — در دلم موج زند حسرت دیدار هنوز

مایل رحم نشد چشم ستمگار هنوز — می طپد در سر کویش دل بیمار هنوز

قطرهٔ از نم اشکم بهوا رفت ز آه — ابر نیسان بزمین است گهربار هنوز

ماه کنعان و زلیخا به زمین آرامید — در نظرهاست همان گرمی بازار هنوز

رشتهٔ طول امل های جهان شد کوتاه — گر درازی است مگر طرهٔ خمدار هنوز

ساغر مهر و مه و شیشهٔ افلاک شکست — جام در دست بود نرگس سرشار هنوز

شور محشر همه افسانه ربود و رونق — در ترقی ست بجانم هوس یار هنوز

پیر گشتی هوس نقش و نگار است هنوز — چون فلک در قد خم گشته شرار است هنوز

رخ زیبای تو سرجوش بهار است هنوز — شوخی حسن تو بر برق سوار است هنوز

نسبت گل لب لعل تو دادم یک بار — شبنم باغ بهر غنچه نثار است هنوز

عمرها شد گهر دل ز کفم گم گردید — آسمان را گذری سوی غبار است هنوز

بعد عمری چو بسویم گذری شد پرسید — در دل غمزده ات صبر و قرار است هنوز

نگه مست ز چشم تو فگن بر سر من — خم و پیمانه تهی گشت و خمار است هنوز

خط بر آوردی و برگشته جهانی از تو — رونقم را بتو جانان سروکار است هنوز

عالمی در باغ خندانست و گریانم هنوز — از سرشک دیده ریزد گل بدامانم هنوز

شور بلبل سرمه آلود است و نالانم هنوز — در عدم پیدا نگردد گل ز افغانم هنوز

دور می آخر شد و بیرون ز مجلس رفت یار — ریشه در خون میدواند موی مژگانم هنوز

ما دو کس آشفتهٔ گیسوی پرخم بوده ایم	یافت جمعیت گل سنبل پریشانم هنوز
نکتهٔ سربستهٔ ساقی ز راز جام گفت	بزم می برخواست در پیر گریبانم هنوز
پختهٔ کاری جنون از آتش رنج است و بس	سنگ طفلان را نخوردم در بیابانم هنوز

تا بخوانم دفتر رنگینی حسن ترا
همچو رونق در تماشای گلستانم هنوز

دیگر ای شوخ گر آمده بر سر ناز	ساغر باده بدست تو بود افسر ناز
سرمه دان تماشه چشمان ترا یا در ناز	ریخت در دامن آئینهٔ گل نور ناز
دارم اندیشه که حسن تو بیاید بزوال	مور خطت نشود فتنه و غارتگر ناز
گردش چشم بلائیست که من میدانم	باز افتاد دل غم زده در ششدر ناز
عشوه مهریست که در شام و سحر میرخشد	طاق ابروی تبائست مگر خاور ناز
سرخوشش تا بدم حشر نه جنبد از جای	نرگس مست تو ساقیست عجب ساغر ناز

رونق از دیدهٔ او غمزه دمی بیرون نیست
بانگاهش بسرشتند مگر جوهر ناز

بقای مجلس شود اند سر عدم برخیز	بسیر گلشن نیرنگی قدم برخیز

* یہہ غزل دیوان میں درج نہیں تھی تذکرہ صبح وطن سے نقل کی گئی ہے ۱۲

متاع سود و زیان بار خاطر است اینجا
چو گرد قافله ای کاروان نه هم برخیز

بهر زمین که نهی پا بجز مزار می نیست
گنه نکرده ازین ره بیک قدم برخیز

فراخ کامی دارین شد زیاده سری
بهر چه خواست مشیت زبیش و کم برخیز

به نوش و نیش ترا دخل نیست یکسر مو
حلاوتی رسدت از کمان سم برخیز

ز لاله داغ و لے وام کن بفصل بهار
بسوی دشت نگر از سر ارم برخیز

هوای ابر برونق دماغ ای ساقی
بکف گرفته صراحی و جام جم برخیز

ردیف سین

گر از دل پر داغ بود افسر طاوس
یکرنگ بود تیره چو شب پیکر طاوس

سوزی ست ز حسن تو نگر در سر طاوس
گر طره زلف تو شود افسر طاوس

از حسن بتان چون نشود داغ دل ما
بر آئینه ریزند چو خاکستر طاوس

بیرنگ رخت آنقدرم سوخت بحسرت
دل نیست مرا لیک بود یک پر طاوس

اشکیست که تا کوی تو آیم بسراغش
جز گریه بگلشن نشود رهبر طاوس

هر چند سراپاش پر از نقش و نگار است
داغی است مرا منتخب از زیور طاوس

آهی ست مرا چاره گر این دل بیتاب
جز ناله بصحرا که بود یاور طاوس

...ی ز قیامت بدل نخجیرم نیست — برگشته نگاهیست همین محشرِ طاوس

رونق ز شکستم را خلعتِ سنجاب
گر جامهٔ مهتاب بود در برِ طاوس

بوده از روزِ ازل یار را سروکارِ قفس — در حقِ ما قصرِ فردوس است دیوارِ قفس

گر نشینی ساعتی در چار دیوارِ قفس — بهتر از صد گل شماری یک سرِ خارِ قفس

یک شکرلب نیست در باغِ جهان بی دردِ سر — یار محوِ آئینه طوطی گرفتارِ قفس

حلقه زد در کمندِ زلف با عزمِ شکار — باز از نو میشود گرمیِ بازارِ قفس

بی چراغ افتاد گر بزمِ گرفتاران چه باک — میشود از نالهٔ شمعِ شبِ تارِ قفس

سایه پروردِ بهارِ وصلِ خوبانیم ما — بلبلِ ما راست از روزِ ازل عارِ قفس

در اسیری گریه پیشِ گلرخان باشی چه غم — نیست جز مجبوریِ صیاد آزارِ قفس

نالهٔ مرغان مگر در خوابِ او آتش زند — بیشتر بیدار میباشد نگهدارِ قفس

گر شوی آگاه رونق از فراغِ عزلتی
بر سرِ خود دیگر از منت کشی بارِ قفس

گلشنِ من چشمِ گریانیست بس — خنده ام چاکِ گریبانیست بس

مرهمِ دل خارِ مژگانیست بس — کسوتیا و تارِ دامانیست بس

بہر معراجِ بلندی ہای من
نقش پای یار او انیست بس

از مِی ساغر دلم کے بشگفد
عشرتم در لعلِ خندانیست بس

بیقرارِ سادگیہاے دلم
ہمدمِ من آہ و نالانیست بس

کی توانم برد نازِ باغبان
از صبا یم بارِ جہانیست بس

چون شود محروم رونق از وصال
دلنشینش آہ و افغانیست بس

تا بکی غافل بدنیائی گرفتارِ لباس
ساعتی آسودہ شو از دوشِ خود بارِ لباس

نیست چون تصویر عریانم سروکارِ لباس
ہمچو گوہر نیستم در بند آزارِ لباس

※ جامۂ سرخش چہ خونہا در دلِ بیتاب بخیت
ای حریفان آتشی افتد ببازارِ لباس

چینِ دامن میکند ظاہر مرا با صد زبان
در دلِ اربابِ دولت میخلد خارِ لباس

گرچہ سرتا پای او رنگین بود لیکن مرا
غنچۂ آن نکہ خوش آمد ز گلزارِ لباس

اطلس و زربفت چون دیدم بدوشِ منعمی
در دلم رونق از انساعت بود عارِ لباس

※ اصل بیاض میں یہاں ایک شعر لکھکر کاٹ دیا گیا ہے۔ و ہو ہذا

پارہ خواہد شد تنش چون گل ز بیداد فلک ہر کہ میگردد درین عالم ہوادارِ لباس

عالمی راست زبس دست درآغوش هوس ‌ ‌ هرکه دیدیم بدنیا شده مدهوش هوس

بیخبر چند نشینی تو درآغوش هوس ‌ ‌ همچو طاوس همه داغی و گلپوش هوس

همچو اکسیر کند خاک تلاشش زر و سیم ‌ ‌ بار زر چند کشی آه تو بر دوش هوس

نشود سرخوش عشرت دمی از بیتابی ‌ ‌ هرکه گردید درین میکده مینوش هوس

ساغر بدر ز مهتاب پر از صهبا شد ‌ ‌ بسکه در فصل بهاراست بدل جوش هوس

تلخ گردد بمذاقت چو قناعت گیری ‌ ‌ آنچه اکنون بنگاه تو رسد نوش هوس

آنچه بر فرق شهانست نه دانی افسر
رونق افتاده بران قوم چه سرپوش هوس

ردیف شین

نرگس مستا و شراب فروش ‌ ‌ عارضش از عرق گلاب فروش

چون ببزم شراب بنشستی ‌ ‌ دل صد پاره شد کباب فروش

تا تماشای روی جانان کرد ‌ ‌ دیدهٔ من شد آفتاب فروش

ساغر می ز دست یار ستان ‌ ‌ محتسب دفتر حساب فروش

گشت مدهوش تا ز دیدارش ‌ ‌ دیدهٔ گوهر است خواب فروش

تاب رویت نگر نمی دارد ‌ ‌ برگ گل میشود نقاب فروش

بسکه لبریز از هوای تو شد
دل رونق شود حباب فروش

بگذار یکه باشد جلوه گر سرو خرامانش
ز نهر آب گردد بخیهٔ چاک گریبانش

دل چاکم اگر گردد رفو از تار دامانش
فراهم میکند زخم کواکب شور افغانش

ز دست آن نگار افگن کجا پنهان توان گشتن
دو عالم پای موری هست در صحرای جولانش

بگذارا رم صد خنده از زخم جگر دارد
بدل هر کس که پنهان می‌نماید خار پیکانش

چه پرسی از ازل آواره گرد میرو پای
که باشد گرد باد آسا غباری ساز و سامانش

سر شکم شورش طوفان انگیزد بدریای
که بار دخت دل در جای گوهر زیب دامانش

به پیش طفل شوخی عرض حالم کردنی دارد
که بر لب خنده را دشنام سازد ناز پنهانش

تلاش جستجویت کی گذارد این دل شیدا
زند گر بر زمین صد بار چون خورشید دامانش

اگر رونق رود بهر تماشای چمن گاهی
غرض جز لاله در دل نیست از سیر گلستانش

ز بس گردید شوخی بیقرار قد رعنایش
نماید جلوه چشم پری خلخال در پایش

شود شیرین دل من از لب دشنام پیرایش
که حنظل میشود انجیر از لعل شکرخایش

کی از مشق ستم در دل گذارد قطرهٔ اشکی
که از یاقوت سازد رگ جدا مژگان [illegible]

زبس احکام نازش بر همه گلها روان گردد — بود کیخسرو تخت گلستان چشم شهلایش

اگر از محفل می ساقی از مستی برون آید — کند چون لاله یکسر داغ در دل جام مینایش

کجا بر اطلس گل التفات آن نگه افتد — قبا از چشم بلبل مینماید سرو زیبایش

زبند از آب تابش غوطه در آب گهر گردد — بهنگامیکه لبریز عرق شد ماه سیمایش

پی آرایش زیور چو گیرد در کف آیینه — نگاهم رشتهٔ گوهر شود وقت تماشایش

مشو در پاس رونق اینقدر بیدل ز خشم او
که مضمون تسلی هاست پنهان در هر ایمایش

بهنگامیکه بیگون مینماید چشم خونخوارش — زند در سینه ام صد تیر مژگان جفاکارش

نگاهی کن برنگینی و پیچ و تاب دستارش — که در دل خار خاری دارد از دیدار رخسارش

هوس با نوجوانان بیشتر دارند پیران هم — کند شام و سحر بر رخ نگاهی زلف خمدارش

غرض از دل طپیدنها هم آغوشیست میدانم — بایما میکند مطلب ادا آشفته گفتارش

اگر خورد دست آب از چشمهٔ حیوان نهال او — بدرمان ناز منت میفروشد خار آزارش

باندک التفاتش خسته جانان میرهند از غم — چرا از خود نمیدارد نگاهی چشم بیمارش

اگر در انتظارش کور گردد دیدهٔ عاشق — ظهور رشته موان ز تغافلهای بسیارش

تلونهای کثرت پردهٔ وحدت شود هردم — حباب آسا ز هستی دیده میپوشد هوادارش

نگه بر دوش مژگان تکیه زد رونق تماشا کن
ز بس طاقت ربائی میکند صهبای دیدارش

دگر ساغر کش نازاست آید دل چشم میگونش
دلی دارم که باکی نیست از آسیب گردونش
نظیرش مصرع برجسته دیگر نمی بینم
چرا عاشق نگردد بی نیاز از منت گردون
برنگ چشم او ترک دلاور را نمی بینم
عنان توسن او از رگ جان غزالان بود
نخواهد سرخوش او ساغر کیجام جم باشد
بعرق خویش بند دمنعم وصد نازها دارد

پری در شیشه پنهان میکند تاثیر افسونش
بصحرا مونس دیرینه باشد روح مجنونش
بود در هر زمینی دلنشین آن سرو موزونش
که باشد زردی رخساره او گنج قارونش
که صهبا را برابر میکند در روز شبخونش
رکاب از حلقه چشم پری میداشت گلگونش
بیک جو غم نگیرد راحت کونین مخزونش
نم آب خجالت میشمارم در مکنونش

هر آنکس چون حنا هم پنجه دلبر شود رونق
بآئین حمیت لازم آمد ریزش خونش

اگر سیماب را آید بخاطر وضع تمکینش
چه راحتهاست یارب در نصیب خانه زینش
ز آسیب قیامت نیست باکی دلفگارش را

نماید آب گوهر کسب خود داری ز آئینش
حمایل میشود در گردن او ساق زرینش
که شور حشر را بخشد حلاوت لعل شیرینش

بپای نازکِ او دستِ عاشق کی گذر یابد	که همچون لاله داغی میرساند برگِ نسرینش

چه نیرنگی تماشا میکند دل از طپیدنها	بهنگامیکه باشد در نظر سرو بلورینش

رمیدنهای شوخی را دگر از من چه میپرسی	که از بیتابی برق است مهدِ خوابِ نوشینش

بحیرت میرسیدم از هجوم سیر دریاها	که لب چون ماهِ نو در خنده وامیداشت تمکینش

حذر از زالِ دنیا کن اگر بینا نفس داری	شود سرمایهٔ عمرِ تو آخر صرفِ کابینش

به تسکین میشود فردای محشر آشنا رونق
که همچون خواب پنهان شد ز چشمش یار دوشینش

اگرچه محوِ عتاب است باز چشمانش	پیام صلح نماید نگاهِ پنهانش

عبث فتاد بدل رغبتِ گلستانش	کجاست رنگِ بهار و کجا شهیدانش

عجب نباشد اگر مالش فغان نکشد	که سرمه هست نگه همزبانِ مژگانش

چه نسبت است خطِ یار را به سنبل و گل	که یک غلامِ کمربسته است ریحانش

همین دل است و من و گردباد صحرای	دگر ز خویش برد الفتِ غزالانش

هوای تختِ سلیمان چرا رسد در دل	بقدرِ مور اگر جا کنم بدامانش

ز آبیاریِ سیلابِ نوح دم زرکشش	نهان بقطرهٔ اشکِ من است طوفانش

صبا نثار کند باز دفترِ گل را	بشاعری که باین رنگ و بوست دیوانش

دل تمکش رونق فتاد مایل اشک
بباغ و بحر مسلم هوای نیسانش

نمیدانم چه میگوید بشوخی چشم جادویش
که از راه ادب در پیش او خم گشته ابرویش

صبا بار دگر ره سبز شوی گر تا سر کویش
دل آشفته خود را نمایم نذر گیسویش

اگر دارد نسیم از گرد دامانش ره‌آوردی
که میدانیم ما از عمرها کیفیت بویش

نمک بر زخم ماهی ریزد از ریگ ته دریا
اگر افتد گذر از ناز گاهی بر لب جویش

نمی باشد فزونتر زین عتاب خشم و رعنائی
بچشمش مردمک لرزان بود از تندی خویش

ندانم تا چه باشد مدعای التفات او
که دارد با مسلمان میل یارب زلف هندویش

کند رونق تصور ساغر می دیدهٔ پرخون
رگ گل را شناسد خار خاری مایل ابرویش

صبا پیغام اشک من رسانی تا در گوشش
که سلک گوهری دارم برای زینت دوشش

دمی کز خود روم از بیقراریهای آغوشش
برنگ سایه میگردم بروی خاک همدوشش

نپنداری که بهر زینت خود داد زیور شد
چمن را آب رنگی میدهد اندام گلپوشش

فلک از شور دریا پنبه در گوش خود انداز
بهنگامیکه آرد سیل آب دیده در جوشش

مکن اندیشهٔ عصیان ملاحت بین قدح بستان
نمک ریزد بجام باده زاهد لعل مینوشش

برنگِ چشمِ او از بسکه دارد وضعِ خودداری | بمستی وانماید خویش را هشیار مدهوشش

عبث رونق بامید وصالش چشم در راهی
که گردیده زخاطر وعده دوشین فراموشش

دلت را گر گلستان میکند خوش | مرا از خیار رجانان میکند خوش
نه ما را صبحِ تابان میکند خوش | دلِ عاشق شبستان میکند خوش
هلاکِ نوخطانِ گل عذارم | دلم را بوی ریحان میکند خوش
ندارم مدعاسے غیر فریاد | مرا دشتِ نیستان میکند خوش
مدادِ خامه کاغذ کرد سیراب | صدف را ابر نیسان میکند خوش
خزان رختِ سفر بست از گلستان | دگر فصلِ بهاران میکند خوش
اگر دل مایلِ آن چشم داری | تماشای غزالان میکند خوش
دلم وا میشود در بزم موزون | بیک مبتسم سخندان میکند خوش

کجا مایل شوم رونق بشمشاد
دلم سروِ خرامان میکند خوش

بی تکلف گر بود در شعر سامانِ تلاش | پیشِ اربابِ سخن باشد همان جانِ تلاش
بر فصاحتهای شعرِ ماست ایمانِ تلاش | معنی برجسته با بی سخن جانِ تلاش

بسکه دارم جستجوی معنی رنگین بدل ‌‌ ‌ ‌ ‌ از بهار فکرتم خرم گلستان تلاش

خویش را خاک ره اهل سخن باید نمود ‌ ‌ ‌ ‌ کی رسد دستت بآسانی بدامان تلاش

گر شوی محو تفکر بیشتر اندیشه کن ‌ ‌ ‌ ‌ خار بی ربطی برآرد سر ز بستان تلاش

بر طرف کن عیب را از خود که شیران سخن ‌ ‌ ‌ ‌ بیشتر گیرند آهو در نیستان تلاش

بسکه در بحر سخن غواص بودم عمرها ‌ ‌ ‌ ‌ میزند هر مصرع من موج طوفان تلاش

جیب و دامان نگه لبریز گوهر میکند ‌ ‌ ‌ ‌ کلک گوهربار من گردیده نیسان تلاش

بسکه در شعرم بود رونق لطافت بیشمار
کرده هر بیتم نهان در خویش دیوان تلاش

ز آئینه رخت گر مهتاب میزند جوش ‌ ‌ ‌ ‌ از چشم اشکبارم سیماب میزند جوش

سرگشتگیست ما را از بسکه در طبیعت ‌ ‌ ‌ ‌ هر جا زنیم پایی گرداب میزند جوش

آب حیات ریزد در ساغر دل ما ‌ ‌ ‌ ‌ اندر سخن چو طبع شاداب میزند جوش

حال جدائی او گر اندکی کنم عرض ‌ ‌ ‌ ‌ از جان بیقرارم سیلاب میزند جوش

اندر خیال آن لب گشتم بشعر مایل ‌ ‌ ‌ ‌ از خامه طرفه لعل نایاب میزند جوش

آئینه فلک را سازد سیاه یکسر ‌ ‌ ‌ ‌ از سینه‌ام چو آه بیتاب میزند جوش

اشکم فشاند آبی بر تیره بختی دل

رونق بدیدهٔ من چون خواب میزند جوش

باغبان از برگ گل تا کرده در گلزار فرش
میکند بلبل برای خویشتن از خار فرش

گو که از مخمل نماید بهر خود زردار فرش
عاجزان را بس بود آن سایهٔ دیوار فرش

چشم پرخون را عجب دستیست در نقش و نگار
هر کجا آرام گیرم میشود گلزار فرش

خود فروشیهای زاهد از مصلا میشود
چیده از زهد ریا در کوچه و بازار فرش

همنشین را گر کند میناب جای شکوه نیست
میکشد از پهلوی بیمار صد آزار فرش

منت رنگ حنا بیصرفه بردن سود نیست
پا نهادی هر کجا شد دیدهٔ خونبار فرش

دامن فقر ش مکن آلوده منعم زینهار
گر بدرویشی ملاقی میشوی بردار فرش

سردمهریهای گردون را عجب خاصیتی است
گسترد در خانهٔ آئینه از زنگار فرش

نرم رویان صاف جز سختی کجا رونق شوند
هیچگه جز مهرهٔ سنگین نشد هموار فرش

دلی دارم که موج نشهٔ صهباست زنجیرش
صدای قلقل مینا بود افسون تسخیرش

چه امکان ست تا مانی کشد بر صفحه تصویرش
که نال خامه زنجیر است در پا وقت تسخیرش

لب لعلش کجا تاب گزیدنهای ما دارد
که نی میشود از صدمهٔ آداز تقریرش

گر از پرتو حسنش فروغی یافت شمع شب
که گردد برگ گل از فیض رنگینش گلگیرش

رقم شد حرفی از سوز دل بیتاب در کاغذ | زبان شعله گردید دست هر سطری ز تاثیرش
بود خوابی عروج جاه دنیا پیش آگاهان | که غیر از کاهش و پستی نباشد هیچ تعبیرش

چه پرسی رونق از رنگینی دست نگارینی
کز انگشتش حنائی میشود پیکان و زنجیرش

بسکه بر سنگ زدم از غم عشقت سر خویش | سیل خون یافته ام تا بعدم رهبر خویش
شب هجران چه کنم چارهٔ درد سر خویش | گریه ها میکنم از زخم بچشم تر خویش
هوس سرو قدت بعد فنا هم زود | قمرئی میکنم ایجاد ز خاکستر خویش
همچو یاقوت هنر سوز جگرمی بخشد | همه تن سوخت مرا از اثر جوهر خویش
رنگ و بوی دگری میدهدت فیض سخا | شهره شد گل بچمن ریخت چو مشت زر خویش
برق را شعله زنی مایهٔ شهرت باشد | بهر پرواز بود ناله مرا شهپر خویش
آب و تاب دگر است از اثر نالهٔ زار | گریه گردید مرا آبروی گوهر خویش
طاقت درد جدائیش ندارد هرگز | داغ گشتم ز تمنای دل ابتر خویش
سالها گر شنوی نیست نهایت آن را | چه شکایت که ندارد دلم از دلبر خویش
گر رسد تیر نگاهت ز غلط اندازی | همچو مهمان بنشاند دل من در بر خویش

سوخت دل ز آتش عشق رخ تابان کسی

رونق از داغ نشانی شده بر محضرِ خویش

ردیف صاد

غمزه در چشمت بشوخی کرده صبح و شام رقص
همچو مخموری که سازد از نشاطِ جام رقص

میکند از شوقِ دل در زلفِ عنبر فام رقص
همچو آن مستی که گیرد بر کنارِ بام رقص

وضعِ تسلیم از جماد آموز و سختی عیش دان
چون سرش در زیرِ سنگ آید کند با دام رقص

اولِ عشقت و دل بیتابِ گیسوی تو شد
نو گرفتارِ قفس را میشود در دام رقص

حاصلی جز ترکِ دنیا نیست از بزمِ طرب
میشود از پشتِ پای در نظر اتمام رقص

شوخیِ حسنش مگر آورد دیگر در نظر
دل کند سیماب سان آغاز رقص انجام رقص

ناز و بی پروائی او را کرده منعِ التفات
بسملِ ما از تمنا داشت در هر گام رقص

وجدها میکرد صوفی کس بپا و مایل نشد
کی برد دل را اگر باشد بطرزِ خام رقص

دامن افشان گر رسد رونق نگارِ دلفریب
میکنند از بیخودیها جمله خاص و عام رقص

هلال سان چو کشد سر بر آسمان ناقص
بچشمِ اهلِ بصیرت بود همان ناقص

رسائی عجبی داشت شورِ فریادم
کنون ز سرمهٔ چشمِ تو شد فغان ناقص

بصد جفا شودش دلنشین خدنگِ قضا
کسیکه فهم کند آهِ بیدلان ناقص

رقیب گر کند از ما حسد تعجب نیست
همیشه رشک نماید ز کاملان ناقص

به پیش روی تو در باغ گل خجل گردید
که سر بجیب برد وقت امتحان ناقص

شنید نام تو از قاصد و دل از خود رفت
هزار حیف که گردید داستان ناقص

ز تاب خامهٔ رونق شدست شمع خموش
ببزم اهل کمال است بیزبان ناقص

ردیف ضاد

کند شگفتگی از طبع روشنم گل قرض
ز بیقراری من آه کرده بلبل قرض

رسید فصل بهار و بزلف دلبستیم
دگر نسیم پریشانی ز سنبل قرض

گلی بباغ ندیدم برنگ رخسارت
ادای وصف تو گردیده بجز گل قرض

چه آبدار بود حرف من که جوهر را
نموده تیغ زبانم ز نعل دلدل قرض

ز بار دام چگویم نمی توان گفتن
گران چو کوه بود گرچه هست یک پل قرض

شب فراق کسی باز بی قرارم کرد
چه پیچ و تاب دهد تا لهٔ ام بکاکل قرض

دگرچه کار مرا رونق از ایاغ شراب
که نشه داده نگاهش بیاغر مل قرض

ز سیر باغ مرا شد رخ نگار غرض
وگرنه دلشده را چیست با بهار غرض

مراد نیست ز سنبل بجز پریشانی | بغیر داغ ندارم ز لاله زار غرض

ز ناوک مژه شاد کن سرت گردم | جز این خدنگ ندارد دل فگار غرض

چرا ز منت آئینه منفعل گردی | که باغ حسن ترا نیست آبیار غرض

هزار حیف که گل محمل از گلستان برد | فتاد بلبل دلخسته را به بخار غرض

به بی ثباتی این بزم مئ دلم سوزد | نم شراب چو خواهم بود شرار غرض

به بیقراری دل غور اگر کنی رونق
زدود آه بود زلف تابدار غرض

ردیف طا

آشنای باده را باشد ز چشم تر محیط | از برای کشتی می میشود ساغر محیط

دایم از درماندگان فخر بزرگان میشود | اعتباری دارد اندر خلق از گوهر محیط

وسعت دلهای روشن دید شاید گر حسد | میزند از موجها بر خویشتن خنجر محیط

سجده پیش خاکساران کن اگر خواهی شرف | سر نهد از عاجزی هر دم بخاکستر محیط

دل تهی کن از هوا تا عزتی باشد ترا | میگذارد بر سر خود از حباب افسر محیط

وهم ما و من نقاب روی حدت میشود | ورنه هر یک قطره را پنهان بود در بر محیط

آتش جور فلک میسوخت رونق عالمی

اشکِ بیتابم نگشتی گر به بحر و بر محیط

طرفه زینت میدهد بر گردِ آن رخسار خط   نیست جز وصفِ خطِ او دیده ام بسیار خط

گر ز دردِ دل نویسم من بسوی یار خط   قطره های چشمِ پرخونم کند گلزار خط

شرحِ اندوهِ فراقش مینوشتم اندکی   گر نمیدادی دلِ زارم را آزار خط

از تپشهای دلِ مشتاق حرفی شد رقم   شد ز بیتابی بگردش آه چون پرکار خط

جان بحق تسلیم بر روی عیان باید نمود   سجده کن از طرفِ من قاصد دگر بگذار خط

عرضِ مشتاقان زبس نشنیده میماند از او   هر طرف افتاده اندر کوچه و بازار خط

با وجود دورِ مضمونش ز خاطر رفته است   پاره شد شاید بدستِ آن بتِ عیار خط

خامه از سنبل کنم و ز دیدهٔ آهو دوات   مینوشتم باز با آن طرهٔ طرار خط

میدهم رونق بقاصد باز خطِ بندگی
سالم آر دگر ز دستش سوی من این بار خط

ردیف ظاء

بزمِ بی تو ز صهبای خوشگوار چه حظ   اگر فسرده بود دل ز نوبهار چه حظ

اگر تو بهرِ تماشا بسر نمی آئی   بجانفشانی دلهای بیقرار چه حظ

کجا بوصل میسر شود چنین راحت   شبِ فراقِ تو بردم در انتظار چه حظ

تو اول از همه جام شراب را درکش	بزم باده چو ساقی است هوشیار چه حظ
شگفته شود می از ناز با من شیدا	برد ز دیدن گل این دل فگار چه حظ
کسیکه بخت جگر ریخت قدر آن داند	بمنعمان شود از لعل آبدار چه حظ

تو رفتی از چمن و رونقی بخوبان نیست
چو بست رخت سفر گل ز سیر خار چه حظ

چه ممکن است شود گل ببوستان محفوظ	ندیده ایم ولی زیر آسمان محفوظ
هوای بال و پر افشانیش بدام کشید	که بود بلبل بیدل در آشیان محفوظ
بمحفل تو گرم ره نشد ملالی نیست	ز دور بینم و باشم بر آستان محفوظ
ز دیدن رخش آئینه را کدورتهاست	شود ز سیر چمن گرچه باغبان محفوظ
شگفته تر شده رویت بدست مشاطه	که اهل فضل شود وقت امتحان محفوظ
میان نامهٔ عشاق پاره مکتوبم	نمودی دل من گم گشته زین نشان محفوظ
ولای شبّر و شبیر گر بدل داری	ز حادثات نشینی بدو جهان محفوظ
بجز امتلای شکم عیش منعمان نبود	بآب و دانه شود طبع این خران محفوظ

بهر دو حالت رونق بهجر آن گل رو
چه عندلیب شود موسم خزان محفوظ

ردیف عین

در سرِ پروانه گر افتد هوسِ دیدارِ شمع
بال و پر سوزد که تا روشن کند گلزارِ شمع

انجمن را نیست تابِ گریه های زارِ شمع
شد گر از پنبهٔ داغِ دلِ من تارِ شمع

با دامن از دمِ سردِ دلِ پروانه ها
خوش بهاری در نظر دارد گلِ بیخارِ شمع

شوقِ کامل را نباشد هیچ حایل در میان
مانع پروانه کی گردد نگر دیوارِ شمع

در شبِ هجرت چگویم ماجرای درد را
سطری از حالِ دلِ زارم بود طومارِ شمع

از جبینِ راستان احوالِ باطن روشن است
داغِ دل گردد عیان از دیدنِ رخسارِ شمع

نیست قدری خوبرویان را بغیر از عاشقان
از پرِ پروانه باشد گرمیِ بازارِ شمع

نکتهٔ سربسته است از مخزنِ اسرارِ دل
بارها کردم نظر بر مطلعِ انوارِ شمع

شعرِ من از عیب چیناں کرد پیدا رونقی
هر دم افزون است از گلگیر دایم کارِ شمع

مطرب شد از نوای دلِ پرشور در سماع
دارم سری چو کاسهٔ طنبور در سماع

واعظ بخلد هم نکنم ترکِ صوتِ خوش
باشم من از صدای لبِ حور در سماع

صبرِ کلیم چون نشود مطلق العنان
آید چو با هزار زبان طور در سماع

از نغمه نیست زاهدِ افسرده را نشاط
تا ممکن است راحتِ رنجور در سماع

بایدر دیفِ کاسۂ طنبور جامِ می
وصفت رقصم چگونه نمایم که زهره را

درگوش پنبه کرده چو مخمور در سماع
آور دصوتِ دلکشت از دور در سماع

رونق زشوق زمزمه دیگر من مپرس
خواہم که جا کنم بلب گور در سماع

ردیف غین

تاکی شود ہجر دل از انتظار داغ
گردید شهره آنقدر از فیضِ سوختن
چون شاخ لاله که زنیسان نهال شد
انسوزش است زینتِ عشاق تیره بخت
تا رنگِ جلوه یافت ز رخسارِ نیکوان
وحشی نگاه کیست بدل آشنا مرا
افگند تا نگاه بر آئینۂ رخش
جز سوختن ثمر نبود اتحاد را

داریم سینۂ گرو صد ہزار داغ
دریوزه میکند ز دلم لاله زار داغ
از فیضِ گریه آمده ما را بکار داغ
چون خالِ دلبران شده ما را نگار داغ
ہمچو مسیِ لعل تبان شد بهار داغ
چون دیدۂ غزال شود بیقرار داغ
روشن شدست چون گہرِ شاہوار داغ
دارد نہالِ عاشقیِ ما ببار داغ

رونق بشمع نیست سروکارِ من دگر
گردیده از نظارۂ او تابدار داغ

نیست اصلاً بنظر جلوهٔ گلها در باغ
خون دل ریختم از حسرت مینا در باغ

باغبان مرده دلانرا کند احیا در باغ
لب هر برگ گلی گشته مسیحا در باغ

عندلیبان سوی گل محو تماشا در باغ
من بیاد رخ گلرنگ تو شیدا در باغ

چشم زخم گل خود ردی اثرها دارد
مرو ای آفت جان بهر تماشا در باغ

گرد مدهوشی دل سیر چمن افزون تر
شاخ گل میدهدم ساغر صهبا در باغ

هست کافی بچمن ریزش این دیدهٔ تر
ابر نیسان نکنی گریهٔ بیجا در باغ

گر نیائی بچمن نیست فروغی گل را
چشم بینور بود نرگس شهلا در باغ

سیر گلزار سخن طرفه نظارت دارد
عندلیبان پس ازین من نهم پا در باغ

گل چو ماتم زدگان گریهٔ سرشاری داشت
دوش رفتیم چو رونق بتماشا در باغ

ردیف فا

گر بچشم مست او گردد دمی ساغر طرف
می رسد سنگ ملامت بر سرش از هر طرف

از ملایم طینتان ایمن مباش ای صاف دل
سینه بشگافد چو گردد رشته با گوهر طرف

غیر خاموشی نه بیند صرفه دیگر بهر خویش
گر بشور نالهٔ ما میشود محشر طرف

روی جمعیت نه بیند دیگر اندر خواب هم
چون شود منعم ز مستی با دل ابتر طرف

آدمی را کی رهائی میشود از شش جهت
مهره کی آید برون گردد چو باشد بر طرف

یافت رنگ او تغیر حیف چون برگ خزان
شد گر با اشک خونینم می احمر طرف

بی نیازی عالمی دارد تماشا کردنیست
هر گدای میشود اینجا با سکندر طرف

حاجت مجنون بشمعی نیست در شبهای تار
دیدهٔ آهو بصحرا گشته با اختر طرف

نیست جز آئینه رونق عارض گلرنگ را
سادگی خاصیتی دارد تکلف بر طرف

قاتل از رنگ حنا دارد گل احمر بکف
میبرم من هم دل صد پاره در محشر بکف

دامن دشت از پریدنهای رنگم زر بکف
خار پای من بود از آبله گوهر بکف

موج می گردد نمایان از صفای عارضش
تا نگار آتشین خویم بود ساغر بکف

تا شد آن سرشار با آئینه گرم اختلاط
گشت از عکس رخش همچون فلک اختر بکف

تشنه کی مانم بروز حشر چون باشد مرا
ساغر صهبا ز مهر ساقی کوثر بکف

پرده های چشم نرگس فرش پا انداز اوست
شاخ گل پیش خم زلفش بود مجمر بکف

آفتاب از رهنمائی سحر طالع شود
از ته دل دارم محکم دامن رهبر بکف

میکنی از کشتن رونق هنوز انکار را
دارم از دامان رنگین تو من محضر بکف

ردیف قاف

کی بآسانی دهم از دست دامانِ فراق	بعد ازین دستِ من و چاکِ گریبانِ فراق
دل پریشان چشم پرخون سینه داغِ اشتیاق	دوستان دارم فراهم طرفه سامانِ فراق
دید در آئینه روی خویش و رفت از پیشِ من	می نهم برگردنِ مشاطه تاوانِ فراق
غرقه گرداب این دریاچه دست و پا زند	زانکه میباشد اجل یک موجِ عمّانِ فراق
جوشِ آبِ دیده گر تاراجِ عالم میکند	کشتی دل را بدست آور ز طوفانِ فراق
گر فلک نشتر زند در چشم چندان درد نیست	هیچکس یارب مباد از دهر حیرانِ فراق
لاله پرخون گل جگر چاک و پریشان سنبل است	هر کرا در باغ دیدم گشته نالانِ فراق
تا قیامت روی مهجوری نه بیند عاشقی	گر رود در گوشِ چرخ این شور و افغانِ فراق

رونق امید وصالش تا کجا دارم بدل
نیست چون چرخِ فلک هیهات پایانِ فراق

بسکه می بیند ز بارانِ بهاری جوش خلق	می نشیند سر بجیبِ خویشتن خاموش خلق
همچو می از ابرِ نیسان میشود مدهوش خلق	از هجومِ رعد دارد پنبه را در گوش خلق
از پی کاری اگر بیرون رود از خانه‌ها	میگریزد از درخشِ برق دوشادوش خلق
باوجودِ این ترشح در چمن مست اوفتاد	از نگاهِ ساقیِ ما بسکه شد مینوش خلق

اینقدر باران رحمت زآسمان ریزش نمود
خانهای مردمان در سجدهٔ شکر اوفتاد

چون غریق بحر می یکسر بود بیهوش خلق
بر زمین سجاده راکی می نهد از دوش خلق

خامه و کاغذ شود از وصف باران غرق آب
اضطراب طرفهٔ میداشت رونق دوش خلق

ردیف کاف

طبع شاداب نمی گردد خشک
جام مهتاب نمی گردد خشک

آب حیوان سخن را دیدم
حرف سیراب نمی گردد خشک

چشم تر گاه نماند بی آب
جین سیماب نمی گردد خشک

قطرهٔ گر چکد از عارض او
بادهٔ ناب نمی گردد خشک

آبیاری کند از دیدهٔ زار
هیچ سیلاب نمی گردد خشک

گردش چشم تو بیند گر اشک
مثل گرداب نمی گردد خشک

چه بلا یست سرشکت رونق
دایم این آب نمی گردد خشک

ما د اگر دیده اند زبس گلرخان بخاک
ساقی مریز جرعهٔ می رایگان بخاک

پیوسته است چشم تر عاشقان بخاک
طوفان شود ز خون دل میکشان بخاک

مجنون ز بیوفائی لیلی بدر رهی بسر — از اشکِ خود نگاشته صد داستان بخاک

خواهی که بوسه کفِ پایش بهم رسد — همواره دار فرقِ تو چون آستان بخاک

پاسِ فتاده لازمِ حالِ توانگر است — دار همیشه دیدهٔ خود آسمان بخاک

خواهم که خویش را به تهِ خاک افگنم — منزل نموده اند ز بس دوستان بخاک

مستِ تغافلی ز مزارم گذر کند — هر نقشِ پا شود جگرِ خونچکان بخاک

بیهوده دل مبند بدنیای بی ثبات — پامال شد سکندر و صاحبقران بخاک

از مهر و ماه پنبه بگوش افگند فلک
رونق کند بدردِ که شور و فغان بخاک

بی سبب هرگز مدان بر خاک پیچ و تاب اشک — تا بکویش میبرد آخر مرا سیلابِ اشک

بسکه ریزد از دلِ پر داغِ من سیلابِ اشک — لاله زاری گل کند در کوی او از آبِ اشک

عقدِ مروارید جای یافت اندر گردنش — مفت از کف رنجیم این گوهرِ نایابِ اشک

وقتِ رقت آشنائی وعظ گفتن سود نیست — بردنِ جان سخت دشوار است از غرقابِ اشک

صافیِ مشرب بهاری میدهد حسن ترا — سینه ام آئینه گردیده ست از سیمابِ اشک

آتشِ دل را اثرها هست اندک غور کن — شد زمین خاکستری از گرمیِ تیزابِ اشک

تا ابد در حشر کی بر باد رفتی تختِ او — گر سلیمان داشتی یک گوهرِ سیرابِ اشک

شد بکوی او وطن ما را ز فیض چشم زار | باید منت تا بسر داریم از گرداب اشک

طرفه اعجازیست رونق دیدهٔ خونبار را
ظلمت شب را منور میکند مهتاب اشک

ز دور در نظر آید غبار آتشناک | رسد بعزم شکار آن سوار آتشناک
درین چمن نبود لاله زار آتشناک | سپرده اند دل داغدار آتشناک
هوای شبنم و گل سرد مهری آرد بار | تو گرم خوی و بنگر بهار آتشناک
بروی شعلهٔ جواله دیده دانستم | که بسته اند دل بیقرار آتشناک
اگر بر آئینهٔ دل نه کردهٔ نظرے | ترا ز چیست رخ شرمسار آتشناک
شب فراق تو اسباب عیش آزاریست | بدیده شمع بود مثل خار آتشناک
ز سیل دیده بسوز جگر زنم آبے | اگر خرام کنی بر مزار آتشناک
بغیر سیل سرشکی که دارد آتش آه | ندیده ایم دگر آبشار آتشناک
بجز مژه که ثمر داد لخت دل باشد | بهیچ نخل ندیدیم بار آتشناک
ز گرمجوشی آن سینه و جگر می سوخت | که دوش بود در آغوش یار آتشناک

بوصف نظم تو رونق بس است این دو سه حرف
کلام پر اثر آبدار آتشناک

ردیف کاف فارسی

آمد بقصدِ عمر بد و دیگر بجنگ سنگ / همچون شرر گرفته در آغوشِ تنگ سنگ

عاشق ز خونِ دیده چمن کرد خاک را / یابد اگر ز پرتوِ خورشید رنگ سنگ

بینی همیشه رنج ز پروردگارِ خویش / دل چاک میشود ز جفای خدنگ سنگ

در حیرت ست ظالم از اندوهِ ناتوان / مجنون وش ست بر سرِ دیوانه دنگ سنگ

از تابِ حسن صاف شود هر سیه درون / آئینه شد بدستِ نگارِ فرنگ سنگ

سختی کشان هراس نگیرند از جفا / کاری نمی کند چو زنی بر پلنگ سنگ

از نرمی طبیعتِ ما موم آب شد / دارد ز سختی دلت ای شوخ ننگ سنگ

حرص است آنکه رهزنِ راحت بود بخلق / شد لقمهٔ درشت بکامِ نهنگ سنگ

رونق ز سنگ دامنِ او شد مگر تهی
آید ز شوخ بر منِ شیدا درنگ سنگ

رنگِ بقا نداشت باغ و بهار رنگ / رخسارِ یار دارد عجب پایدار رنگ

رنگِ حنای اوست که شد مایهٔ شرف / زین پیشتر نداشت به عالم وقار رنگ

رنگِ لبِ تو دلکشِ مردم فتاده است / در باغِ دهر گرچه بود بی شمار رنگ

رنگی ز حسنِ شاهدِ بیرنگ جلوه کرد / اکنون نظر فریب بود صد هزار رنگ

رنگ نشاط بخته آمد نگار من
دارم بدست خود زبرای نثار رنگ

رنگ سرشک گرنه محیط جهان شدی
کی یافتی بروی زمین اعتبار رنگ

رنگ تو رونق است بپرواز هر قدر
آید زباده بر رخ آن گلعذار رنگ

ردیف لام

کی رسد در خوشنمائیها بآن رخسار گل
با رخش نسبت ندارد دیده ام بسیار گل

بسکه میسوزد ز رشک دیدهٔ خونبار گل
شعله می آید بچشم ما درین گلزار گل

نور چشم عندلیبان است در گلزار گل
باغبان بیصرفه می آری تو در بازار گل

بیتو رفتم سوی گلشن از پی تسکین دل
در نظر آمد مرا هیهات مثل خار گل

برگ این گلشن به پشت پرده پوش غنچه شد
شاخ از دوش افگند از شرم همچون بار گل

باغبان در بلبلان لاف محبت میزند
لیکن از دم سردی او مینماید عار گل

عندلیبان را بمرگ گل نشاند در چمن
باغبان آرد اگر در پیش آن دلدار گل

عالمی در سیر گلشن بخود دست و سینه چاک
بس بود رونق مرا آن چهرهٔ گلنار گل

رفتی تو در هجرت مرا آمد چه سامان در بغل
هر ناله گلشن در بر و هر اشک نیسان در بغل

دارم دل خون گشتهٔ ز ازروی تابان در بغل
چون ابر دارد چشم من یک شعله پنهان در بغل

اندیشه میدارم که آمیزش ز سوز دل رسد
گیرد اگر از روی مهرم گاه جانان در بغل

ریزم سرشکی هر کجا باغی نماید دلکشا
گردیده ام از یاد روی او گلستان در بغل

در باغ دنیا گفتمی آنرا گل بیجا رحیف
وصل بتان را گر نبودی درد هجران در بغل

می آید آن آشوب جان از بهر قتل عاشقان
در دست تیغ خونفشان بگرفته دامان در بغل

هر چند دارد بوالهوس تقلید افغان چون جرس
باشد برنگ خار و خس خاکیش پنهان در بغل

بر دل خورد صد نیشتر آتش زند اندر جگر
کی میرسد آن فتنه گر هیهات آسان در بغل

رونق ببین آن ماه رو دیگر نماید جنگ جو
از هر نگاهی چشم او شمشیر عریان در بغل

عبث افتاد مرا فکر هواداری دل
نم اشکی نه پسندید بخود یاری دل

جگرم قطرهٔ اشکی شده از زاری دل
آفرین باد برین وضع سبکباری دل

خوبتر آنکه دل بوالهوسان نگذاری
در کف جای حنا نیست ز بسیاری دل

صبر و هوش و خرد و عیش بتا راجم داد
چه ستمها نکشیدم ز جفاکاری دل

شده خاکستر آئینه وصلش دریافت
از نگاه بود فزون این همه پرکاری دل

بر سر حرف میارید من شیدا را
دوستان بسته ام احرام پرستاری دل

ردیف لام

بانیِ دهر چو تعمیرِ فلک را میکرد
سنگِ الماس تراشید بمعماریِ دل

رونق بسر و پا را حرجی نیست ازاں
جای حرمست عزیزاں بگرفتاریِ دل

از عکسِ تست ساغرِ می بدر در بغل
وز کاکلِ تو شیشهٔ شب قدر در بغل

ضبطِ نفس بجاست کز اشعارِ ابدار
دارد هزار آئینه را صدر در بغل

بر تختِ خسروی نشود بار چشمِ من
تا شد ز گردِ راهِ کسی صدر در بغل

زاهد ملاف بیش که چون گنبدِ فلک
عمامهٔ تراست همه غدر در بغل

رونق ز فیضِ صدق و صفایم بعشقِ یار
چوں گوهرست اشکِ مرا قدر در بغل

در باغ از فراقِ تو چنداں گریستم
پر می ز خوں دیده نمودم سبوی گل

قدّ نگاهِ من چو خیاباں معطرست
گردید محو چشمِ من از بس بروی گل

از یادِ عارضش چو بگلشن گریستم
بالیده شد ز دانهٔ اشکم نموی گل

رونق خمارِ آں میِ لعل است در سرم
خوردم بباغ گرچه شراب از سبوی گل

وحشی غزالِ شوخ نشد رام ما هنوز
تا مدتی براه فگندیم دامِ دل

ردیف میم

صیاد دوشش گفت که آزاد می‌کنیم
سر را بپای او زده فریاد می‌کنیم

ناخن بدل چو تیشهٔ فرهاد می‌شود
شیرینیِ لب تو چو ما یاد می‌کنیم

از گوشهٔ نگاه تواں کرد کارِ ما
سر در کف انتظارِ تو جلاد می‌کنیم

یارب بکوی یار رساند مگر نسیم
مشتِ غبارِ خویش که برباد می‌کنیم

هیهات نارسائی بخت است ناخش
عمریست ناله در رهِ صیاد می‌کنیم

کس نیست تا بوحشتِ مجنوں شود انیس
ویرانهٔ عدم ز خود آباد می‌کنیم

رونق هوای بوسهٔ یار است موج زن
دل را بیادِ لعل لبش شاد می‌کنیم

نگارم شمعِ محفل بود شب جائیکه من بودم
سراپا رقصِ بسمل بود شب جائیکه من بودم

خوشا بیداری بختی که یابد یار در پیشش
بکف دامانِ قاتل بود شب جائیکه من بودم

نشاطی داشتم در بزم مستانِ میِ عشقش
سرود از حلقِ بسمل بود شب جائیکه من بودم

نمی گنجید وهم هستیم در جلوه گاهِ او
دو عالم فرد باطل بود شب جائیکه من بودم

کمندِ ناز جاناں جذبهٔ پنهانئی دارد
مرا زلفش حمایل بود شب جائیکه من بودم

نگرد حسنِ جاناں جلوه گر در عرصهٔ امکان
تماشاگاهِ او دل بود شب جائیکه من بودم

زخجلت آب میشد آرزو واندر دلم **رونق**
سخن بسیار مشکل بود شب جائیکه من بودم

زفکر نیستی و هر داره چشم تر شبنم — همه تن قطرهٔ اشکیست مانند گهر شبنم

خیال راحت و آسایشی داری اگر شبنم — زرنج هستی موهومهٔ خود در گذر شبنم

چو وصل یار خواهی گریهٔ مستانهٔ سرکن — که با خورشید پیوندد نظر کن بر اثر شبنم

بهچشمی من شب تا سحر از درد گریان بود — چو روی مهر را دیدم نیامد در نظر شبنم

اگر در مسکن اصلی خود پا می قناعت داشت — بپاس بی اعتباریها نگشتی در بدر شبنم

چو میخواهی سرت دارد دلی زاهد مهیا کن — که می یابد ز تاثیرش بچشم گل مقر شبنم

مرو آتش مزاج من بسیر گلستان هرگز — چمن مجمر شود گل شعله میگردد شرر شبنم

قدم فهمیده باید زد درین گرداب حیرانی — که در دریای رقت هست صد طوفان خطر شبنم

*بشبها گریه کن گر عفو جرم خویشتن خواهی — که کار رحمت ایزد نماید در سحر شبنم

کسی واقف نشد از گریهٔ مستانهٔ **رونق**
زجوش درد دل میریخت اشکی تا سحر شبنم

* اصل بیاض میں اس کے بعد یہ شعر لکھکر کاٹ دیا گیا ہے۔

بجز غلطاں شدن در نوحه شهرت کی بود ممکن ٭ که از افتادگیها میشود ایدل سمر شبنم

ز دربانانِ آن درگاه صد منت بجان دارم
اجازت گر دهندم تا که سر بر آستان دارم

عروجِ نشئهٔ وصلش تماشا کردنی دارد
که از دیدار او چون شیشهٔ می سرگران دارم

نگاهی نیست هرگز سوی حالِ خسته ام او را
نماید خندهٔ سرشار چون پیشش فغان دارم

خصوصیت گر باشد مرا در بزم همچشمان
تغافل هر قدر افزون کند خاطرنشان دارم

حریفِ فهمِ معنی کیست رونق جز تو در دوران
کزین بحرِ غزل در شعر طرحِ امتحان دارم

ترا سر تا بپا چون خوب دیدم
سراپا صورتِ مرغوب دیدم

نبینی همچو من کامل بالفت
بشب ها گریهٔ یعقوب دیدم

سراپا خوبی و داری عتابی
همین وضعِ ترا معیوب دیدم

چو مجنون سوزِ عشقی در کسی نیست
بچشمِ خویش بس مجذوب دیدم

هنر را غیرِ ذلت نیست قدری
بطبعِ دهر این اسلوب دیدم

رقیبم دی دو چار رهگذر شد
چو منعم خواستش مغضوب دیدم

شدم رونق بعشقِ یار کامل
که رنج و محنتِ ایوب دیدم

عجب سوزی ز جوشِ ناله دارم
مرا دل نیست یک بتخاله دارم

ندارم رغبتِ سیرِ گلستاں
زداغِ دل بهارِ لاله دارم

بیادِ آتشیں روے بهردم
تپش چوں شعلهٔ جواله دارم

بدورِ سردمهریهای گردوں
سرشک سرد همچوں ژاله دارم

زسلکِ گوهرِ اشکِ روانی
برای زیورِ او ماله دارم

برنگِ نرگسِ مخمورِ مستش
محبت ازمی دوساله دارم

زدرد آهِ خود رونق نظرکن
رخِ او را درونِ هاله دارم

بگلشنی که چو طاوسِ زارگریه کنم
زداغهاے جگر لاله زار گریه کنم

گره شود چو تباشیر اشک در مژه ام
اگر بهجرتِ آن نیسوار گریه کنم

بعشقِ شعلهٔ رویش زبسکه لبریزم
بسانِ شیشهٔ آتش شرار گریه کنم

زشوقِ نرگسِ مخمورِ ساقیِ گلفام
برنگِ شیشهٔ خالی خمار گریه کنم

عجب مدار گر از یادِ آں کفِ رنگیں
بجای قطرهٔ خونیں چنار گریه کنم

بیاد چادرِ زرتارِ آں گلستاں رو
زچشمه های دو چشم آبشار گریه کنم

نه بهر دورِ می و جامِ باده میگریم
چو شیشه از پیِ آں روی ساده میگریم

نه بچو ابر بکوه ایستاده میگریم | بسانِ چشمه بخاک اوفتاده میگریم
بشوقِ دیدنِ آں ماه رو چو آئینه | سری بزانوی حسرت نهاده میگریم
بدردِ ہجرِ تو چوں سیل آنچناں زارم | که سر بدامنِ صحرا نهاده میگریم
ہجومِ مردمِ ایں شہر دارد م دل تنگ | بکوه و دشت روم دلگشاده میگریم
بدردِ جاں کنی خود نه آں قدر نالم | شکستِ شیشهٔ مے راز یاده میگریم

بعشقِ ساده رخی مبتلا شدم رونق
نه بہرِ مسندِ زرین و ساده میگریم

یارِ دلدارِ قدسیے دارم | طرفه عیارِ قدسیے دارم
چشمِ مخمورِ تو بردآرامم | کهنه بیمارِ قدسیے دارم
بچه صورت نکشم نالهٔ زار | که دل آزارِ قدسیے دارم
آں گل روی من زاہدِ خلد | که از ان عارِ قدسیے دارم
سنگ آئینه شود از خویش | من جفاکارِ قدسیے دارم
زلف دل بسته بہر مو گوید | کاین گرفتارِ قدسیے دارم

کاکلِ او رگِ جاں شد رونق

طرفه زنارِ قدسیے دارم

زلف گوید که نگاری دارم
شانه لافد شبِ تاری دارم

چهره دم زد که بهاری دارم
کاکل آشفت که تاری دارم

بی دماغانه چو راهش گیرم
گویدم دور که کاری دارم

بار بارم بدل آید هوسے
خلوتش خالی و باری دارم

عکسِ آن سنبل و نرگس چو فتد
گوید آئینه بهاری دارم

خار خارم زند این نوکِ مژه
بسکه در دل ز تو خاری دارم

رونقِ تازه بدل عشقم داد
هوسِ تازه نگاری دارم*

زچاکِ سینهٔ صبح بهار خنده زنم
ز نهرِ هر مژهٔ بر جوئبار خنده زنم

بایں حیات تنک مایه گرم جولانست
ز هستی عدمش بر شرار خنده زنم

سیاه بختم و از تیرگی طالع خویش
بظلمتِ شب و گیسوی یار خنده زنم

بریشِ واعظ گره زچاکِ پیراهن
بسانِ ذرّه زهر تار تار خنده زنم

* مسلسل یہہ تینوں غزلیں تذکرۂ صبح وطن سے نقل کیگئی ہین اصل نسخہ میں درج نہیں تہیں ۱۲

بسوی وصلش ای قاصد چو از خود میبرد وهم — رسیدی گر در آغوش آن پری یارب چه میکردم
بغیر از خاکساری از عدم نبود ره آوردم — چو مهر سجدهٔ خاکِ شفا باشد بسر کردم
چو شاخِ زعفران از عکسِ طالع حیرتی دارم — بجای گریه بارِ خنده می آرد رخِ زردم
ز راهِ بیخودی گر سوی سروستان گذر افتد — بیادِ آن قد و بالا و بالا می شود دردم

حرفی اگر ز شکوهٔ دلدار سر کنم — از بی ثباتی دل مضطر خبر کنم
آن بلبلم که گر بچمن ناله سر کنم — گلشن تمام غرقه بخونِ جگر کنم

رونق بدل فتاده چه آتش که دمبدم
از اشکباریِ مژه کار شرر کنم

چون سوی ابروش نظر کردم — سینهٔ خویش را سپر کردم
رو نمائیش را ز قطرهٔ اشک — جیب و داماں پر از گهر کردم

ردیف نون

* یہہ اور اس کے بعد کی غزل تذکرہٴ معدن الجواہر واصف سے نقل کیگئی ہے ۱۲
* یہہ شعر گلزار اعظم مین ملا ۱۲

سوده ام تا بر تراب ساقی کوثر جبین — چشمهٔ آب بقا دارد ز خجلت تر جبین

میکند بذل ضیای و نور بر خورشید و ماه — از سجود آستانش بسکه شد انور جبین

خم شدن از عجز باشد مایهٔ تحصیل اوج — از سجود خاک رهها شود برتر جبین

شد گل خورشید غرق بحر خجلت از عرق — تا شد از فوارهٔ مژگان من احمر جبین

اینقدر محو سجود کیستم یارب که شد — جان و دل مثل سراپای تنم یکسر جبین

شاهی ملک سخن آگاه را رونق دهد
می نهد بر درگه او هر سخن پرور جبین

عکس او از خانهٔ آئینه چون آید برون — از رگ جوهر سراپا سیل خون آید برون

گر کنم وصف سیه مستی چشمش در چمن — جا بجای لاله از خجلت نگون آید برون

در امید جلوهٔ رویش ز سیل گریه ام — مصحف لخت دل از بهر شگون آید برون

میکند رقصی خیال او بدل گر ناله ام — از سر عشرت صدای ارغنون آید برون

گر باین مستی نگاهی سوی گلزار افگنی — مثل چشم آهو از نرگس جنون آید برون

گر سری داری بملک خاکساری بالیقین — در رهت از نقش پا صد رهنمون آید برون

بسکه فیضی میدهی آگاه رونق در سخن
هرکسی از عهدهٔ نظم تو چون آید برون

پُر از گوهر شد از فیضِ غمِ دل دامنِ مژگان
ز چشمِ خونفشانم گشته رنگین گلشنِ مژگان

نینداز ی ز پا افتادگان را از نظر هرگز
ندوزد غیرِ تارِ اشک کس پیراهنِ مژگان

دهد هشیار را پا لغزِ مستان صدمهٔ آفت
کند با خاک یکسان اشک را لغزیدنِ مژگان

تماشا کردنی دارد حریفان این رسن بازی
که اشکم ترکتازی میکند بر گردنِ مژگان

زمانی چشم بند از دیدنِ دنیا تماشا کن
سیه پوشست عالم از برای شیونِ مژگان

چه پرسی رونق از ناپایداریهای امکانم
که گردد زود برهم از بهم پیوستنِ مژگان

[illegible]

تا کی بفکرِ درد و دوا گریستن
لازم بود به دیدهٔ شیدا گریستن

شوید غبارِ سینه به تنها گریستن
طاوس وار رفته بصحرا گریستن

ربطی چو گوهر است مرا با گریستن
هستیِ من چو اشک بود تا گریستن

بر حالِ خویش گریه غنیمت توان شمرد
تا چند عندلیب بگل ها گریستن

گر گریه داغِ دل برد از سینهٔ حزین
خواهم ز غمزه اش به تمنا گریستن

نظاره محوِ عارضِ گلگونِ یار شد
جایز بود به نرگسِ شهلا گریستن

از چشمِ یار سرمه برون ریخت وقتِ خواب
خالی نرفت در دلِ شبها گریستن

تا کی ز چشم یاوریِ گریه میرسد
همچون سحاب از همه اعضا گریستن

تا چند راز عشق نهان در دلم بود
آهم نمود واضح و رسوا گریستن

زگریه بار منّت و احسان گرفته ایم
وارد محبتی بدل ما گریستن

رونق هجوم در دلم را گرفته است
یا ناوک نگاه بتان یا گریستن

چون یافت وطن این دل بدخو به بیابان
شد مردمک دیدهٔ آهو به بیابان

زنهار نه بینی گل شبتو به بیابان
آید بنظر سنبل گیسو چه بیابان

ویرانه نشین را نه فتد کار به عالم
یکسو شده از شهر زدم رو به بیابان

گو من شود خاک اگر در غم هجران
از درد دل زار کشم هو به بیابان

تا دیدهٔ اغیار نه بیند رخ عاشق
جان میدهد از خنجر ابرو به بیابان

از گریهٔ زارم خبری نیست کسی را
گردید روان از اثرش جو به بیابان

با گریهٔ عاشق چه کند گریهٔ زاهد
این پیش کشان ناله کند او به بیابان

گل کرد بصحرا اثر گریهٔ مجنون
دل میکشد ام الفت این بو به بیابان

رونق چو عنان برکشد از جودت صائب
یا هو هوا سوزد و آهو به بیابان

ردیف هاے هوز

چکد جای سرشک از چشم من آئینه آئینه
بجای دل بود شاید مرا در سینه آئینه

شدی آئینهٔ مهتاب زنگ آلود در پشت
بکف چون داشتی جانان من دوشینه آئینه

مپرس از صفوت دلهای ارباب فنا مارا
بود در خرقهٔ درویش جای پینه آئینه

مگر آراست روی شاهد فیض اجابت را
نماید سنگ دلها را شب آدینه آئینه

ندارد میل سوی اطلس و زربفت روشندل
بنو شد خلعتی خز خرقهٔ پشمینه آئینه

سپاهی زادهٔ خارنگر صبر است کز حیرت
بر اندامش شود بیهات چار آئینه آئینه

زرعنائی پرد دگر اینقدر رنگ بتان **ذوق**
شود از زردی رخسار ها گنجینه آئینه

دارم بدل ز هجرش فصل بهار عقده
وا مانده بهجفایم یکدل هزار عقده

مژگان یار افگند در جان زار عقده
هی هی چسان کشایم از نوک خار عقده

از بستگی کارم جانے رسد بهردم
سرمایهٔ حیاتم شد چون شرار عقده

حرفی اگر بگویم سوے لایق عتاب است
جانان ز کشتهٔ خویش در دل میار عقده

خرسندی است مارا در نارسائی کار
دیوانه را چو گوهر باشد بکار عقده

از تیغ آبدارش امید واشدی بود
پیکان تیرش افگند آخر بکار عقده

وقت شهادت خویش منصور راحتی داشت
حل میشود ز کار رت بنگر به دار عقده

ہرکس بقدر حالش از دوست شاد کام ست | آمد فقط بکارم زاں گل عذار عقدہ

چوں زلف حلقہ داری بر عارضی وطن کرد
رونق بکار خود زد بی اختیار عقدہ

از لب رنگین او شد در دلم تبخالہ | میتوان کردن علاجم را ز برگ لالہ
ریخت آتش در دل من شعلہ جوالہ | در سراپایم برنگ برق باشد نالہ
روی او دیدم تنم چوں حلقہ شد از پیچ و تاب* | از پئے ماہ رخش پیدا نمودم ہالہ
گفتگوی واعظ بیہودہ مشنو زینہار | عالمی را می فریبد از صدا گوسالہ
گشت مستغنی ز بار زیور خود آں نگار | تا بدست آورد از تار سر شکم مالہ

حاجت مینا و ساغر نیست رونق زینہار
از نگاہش میکشم ہر دم مئ دو سالہ

ردیف یاء

دارد ہوای بادہ کشی یار اندکے | پر خوں کنید جام دل زار اندکے
سر مست ناز میروی از خاک کشتگاں | دامان خویش را تو نگہ دار اندکے

※ اس شعر کے بعد اک اور شعر لکھکر کاٹ دیا گیا ہے وہو ہذا۔
فیض عریانی نمی گنجد بشرح گفتگو | از شب و روز ست براندام من دو شالہ

شوخی کمن نسیم بزلفِ نگارِ من
پارا نگاهدار ببالین ای اجل
هرجاست بی نقاب رخِ شاهدازل
از لغزشت بعالم میخانه ها شود

فهمیده نه قدم بشبِ تار اندکے
دارم بخاطر از قره اش خار اندکے
از چشمِ دل حجاب توبر دار اندکے
پست و بلند راهِ توهموار اندکے

رونق زعرضِ حال شو دیا ربید ماغ
بر ندپیش او لبِ اظهار اندکے

بخاک تیره یکسان شد ز آهت گلشن ای قمری
مباد از آتشِ آهِ توسوز د گلشن ای قمری
مگر سروِ ترا باشد خمارِ سرگرانی ها
مگر از بذ وفطرت با قدح نوشی سرمی داری
اثر خالی نرفت از گریه وافتادسروت را
زجوشِ آتشِ دل باسمند رمیشوی همرنگ
رهِ عشقست و در هر گام جانِ تازه میخواهد
به فنِ عشقبازی راز دل باکس نباید گفت

گرفتی خونبهای بلبلان گردن ای قمری
بصحرا رفته خاطرخواه سرکن شیون ای قمری
برنگِ شیشه می داری تو در پیراهن ای قمری
چرا ساغر نمایان شد ترا برگردن ای قمری
ز هرآب در پا حلقه های آهن ای قمری
اگرهم طرح در فریاد گردی بامن ای قمری
نمی باید شد از خنجرکشیدن ایمن ای قمری
دریں ره میشو د از سایه پیدا رهزن ای قمری

بسروِ آتشین خوی فتاده کار رونق را

که مثلِ سروِ تو صد را کشد در دامن ای قمری

مستانه خرامی چو بصحنِ چمن آئی
پیمانه شکن گر بسرِ انجمن آئی

کی دست دهد اینکه در آغوشِ من آئی
جان در تنم آید اگر ای سیم تن آئی

کو حوصله و طاقتِ گفتار و دماغی
گر بر سرِ لطف و کرم ای دلشکن آئی

رنگِ رخِ شیرینِ تو پرواز نماید
فرهاد چو در حشر بجوئیں کفن آئی

صد قافلهٔ مشک بگردِ تو در آید
آهو برمد گر بخطا و ختن آئی

صد دیدهٔ نرگس بقدومِ تو سفید است
در باغ زمانی برخِ یاسمن آئی

رونق بفراقت همه شب دیده نه بندد
ای کاش بخوابش برخِ پرفتن آئی

تا تو زلفِ دلکشِ خود را ز رافشان کرده
در شبِ تاری عجب روشن چراغان کرده

مثلِ آئینه تحیّر را چه ارزان کرده
با کمالِ سادگی یک شهر حیران کرده

والهانت را بجان دادن شده وجدِ تمام
تا سجافِ خونِ عاشق زیبِ دامان کرده

پرده از رخ چون کشادی قدرتِ حق جلوه داد
آشکارا از نقابت رازِ پنهان کرده

عشق چون کامل شود خالی نگردد از اثر
عندلیب زار گل را چشم گریان کرده

هر سحر روشن کنی در دم چراغِ آفتاب
آهِ آتش بارِ شمعِ دل فروزان کرده

رنگ بستی از مسی و پان لب خود را بناز	بهر شبخونِ دلِ عاشق چه سامان کردهٔ
هر که بیند رونقت از عشق باز آید دلش	شهره در زشتی چرا نام نکو یان کردهٔ

شعر را قدری نباشد اندرین عصر نگون
خویش را **رونق** بنادانی غزلخوان کردهٔ

بکف ساغر چو انداز د بت من پر سبو دستی	ید بیضا ز خجلت میگذارد پیش رو دستی
بیاد تیغ خونریزش برآرد هر دم از حسرت	چنار آسا برون از تربتِ من آرزو دستی
بطاقِ نرگسِ مستش نمازی چون توان خواندن	که دستی غرقِ صهبا بود در آبِ وضو دستی
پی گلچینیِ باغِ جمالِ عنبرین موی	چو شانه چاکهای سینه ام شد مو مو دستی
صفای دستِ رنگینش مگر شرمنده میدارد	که در خونِ دلِ خود میبرد بر جان فرو دستی
شدم مجنونِ عشقش عاقلان سازید تدبیری	ز مشکین کاکلِ یارم بیا آرید زنجیری
برنگِ آئینه لبریز حیرت شد سراپایم	مگر امشب بچشم جلوه پیرا گشت تصویری
دلم بر آتشِ غیرت چو مرغِ نیم بریان شد	بفتراکِ سرِ زلفت طپیدن داشت نخجیری
حذر کن آسمان از ناوک آهِ جگر سوزم	که از زلفِ رسای یار در دل خورده ام تیری

ز پرواز غبار کوچهٔ جانان یقینم شد	که صرفِ خاک گردید ست اینجا خانه آبادی

بود ارژنگ وچین از نقش اشکم داغها در دل | نم چشم بفرشش خاک شد مانی و بهزادی

چو پرویزن کند کوه فلک را تیشهٔ آهم
دل دیوانه ام رونق عجب کردند فرهادی

دل بکوی یار تنها میروی | بعد ازیں شاید بصحرا میروی
طاقتم طاق ست امروز از فراق | دی شنیدستم که فردا میروی
بیخودی از نشه و بر دوش غیر | خانه ات ویران چه رسوا میروی
گرم جوشیهای دل داری بیاد | بیوفا از پهلوی ما میروی

تا نظر افگنده ام سوی کسی | خوش نمی آید مرا روی کسی
جان کند آسوده آه نیم شب | زین نسیم آید مرا بوی کسی

اینقدر رونق چرا ریزی سرشک
الحذر از گرمی خوی کسی

ضمیمهٔ غزلیات که بعد تتبع این اوراق دستیاب شد

٭ یہ اور اسکے بعد کی غزل تذکرۂ معدن الجواہر سے نقل کیگئی ہے ۱۲

از الف ہاے سینہ چوں ہم باز ‏— گردن افرازکردۂ مارا
ای محبت تو در ہوای وفا ‏— وہ چہ شہباز کردۂ مارا

رونق از طرح آیں غزل بصلا
فقدِ جانباز کردۂ مارا

گرچہ جسم ناتوانم آہ شد عار جنوں ‏— لیک میگرد دبلند از نالہ ام کار جنوں
چوں شود آشفتگیم زیب دستار جنوں ‏— نیست جز موی سرم در دست یکتار جنوں
غیر خود دیگر نمی یابم خریدار جنوں ‏— از دم سردم چہا گرم ست بازار جنوں
نازہا دیوانگاں دارند از سرداریم ‏— سایۂ دیوار باغم شد سرِ دار جنوں
چوں بزلفِ یار می ماند بدوش جاں کشم ‏— از سر زنجیرای دلبستگاں بار جنوں
شورش دیوانہ گردد بیش در فصل بہار ‏— دور حسن گلرخاں شد روز بازار جنوں
زلف پیچاپش نگہ دارد دل دیوانہ را ‏— نیست جز زنجیرای آشفتگانِ یار جنوں
گر مرا دیوانہ خود آں پری گوید بناز ‏— از سر جاں میتواں بر داشت آزار جنوں
باغ حسن گلرخاں را داد رونق آب و تاب ‏— رنگہای تازہ از من یافت گلزار جنوں

قصاید

قصیدہ در منقبت حضرت امام حسین علی جدہ و علیہ الصلوٰۃ والسلام موسوم بہ منقبت گوہر

عزیز گشتہ بہ پیشِ بتاں ازاں گوہر | کہ شد مشابہِ اشکِ ستم کشاں گوہر
بحیرتم کہ چنیں شہرہ چیست نیساں را | رساند دیدۂ من تا بآسماں گوہر
دلم چو مایلِ عشقِ بتِ گہر پوش است | ز چشمِ خویش نیارم بروں چساں گوہر

※ مجھکو رونق مرحوم کے قصاید کی بہت تلاش تھی - باوجود جستجو کے کہیں نہیں ملتے تھے گلزار اعظم مین اس قصیدہ کے چند منتخب اشعار دیکھنے میں آئے تھے - میں مولوی عبدالواجد صاحب واجد فرزند مولوی عبدالعلی صاحب والد مرحوم کے تفحص و تلاش کا نہایت ممنون ہوں کہ اوکی عنایت سے سالم و کامل دو قصیدے دستیاب ہو گئے قصیدۂ ہذا والد مرحوم کی ایک پرانی بیاض میں پایا گیا جسمیں انہوں نے بزمانۂ طالب العلمی مختلف اساتذہ کے اشعار جمع کئے تھے اور دوسرا قصیدہ صاحب موصوف کے کتب خانہ کی ایک قلمی کتاب کے آخر پر لکھا ہوا نظر پڑا - جو اتفاق سے طغیانی رود موسے

چو آب و تابِ سرشکم بہ بیند از شرمش
بخویش تیغ کشد از صدف نہاں گوہر

بسیل گریۂ من بیقرار شد کہ کند
زرشتہ ہا خطِ زنہار راعیاں گوہر

زمہرِ مال بود زندگیِ زرداراں
بقالبِ صدف آمد برنگِ جاں گوہر

بخاندان خلفِ نامور دہد شرفے
فزود منزلت و قدرِ بحر و کاں گوہر

دہد بہ تنگدلاں جا درونِ جاں منعم
کہ یافت در تہِ دریا ازآں مکاں گوہر

حصولِ مال بدنیاست عقدۂ خاطر
زکار بستۂ خویش ست سرگراں گوہر

گدا ز صحبتِ منعم ہمیشہ دارد عار
جدا فتادہ ز دریا برائے آں گوہر

زآبرو نہ پسندم بخویش ننگ سوال
بغور بیں کہ زند قفل بر دہاں گوہر

ہمیشہ اہلِ ہنر در سپاسِ احسانند
کہ شد بہ پیشِ صدف سر برآستاں گوہر

ز دودِ آہ صفای سرشکِ من گم شد
کہ بے جلا شود از کثرتِ دخاں گوہر

مدام کارِ یتیماں زغیب گیرد نظم
کہ یافتہ ز صدف طرفہ سائباں گوہر

بقیہ صفحہ ۱۰۴

کی لپٹ سے بچ گئی تھی افسوس ہے کہ اس کتب خانہ کو جسمیں فارسی کتب کا نہایت نایاب ذخیرہ جمع تھا اور جسمیں مدراس کے اہلِ کمال کی نادر الوجود تصانیف موجود تھیں سیلاب کے ہاتوں ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا ۱۲ جامع دیوان

ز حبِّ مال دلِ اغنیا شود ناسور ‌ ‌ ز رخنه بهر همین یافته زیان گوهر

کمال یافته تا چیز از سیه بختان ‌ ‌ که کرد ظلمتِ شب فلس ماهیان گوهر

مدام اهل هنر گوشه گیر می باشند ‌ ‌ که منزوی بحصارست جاودان گوهر

بمالِ عاریتی نازشِ توانگر چیست ‌ ‌ که در خزانهٔ او هست میهمان گوهر

بخامشی هنرِ صاف دل عیان گردد ‌ ‌ ز آبِ خویش خبر کرد بی زبان گوهر

باهلِ شرم نگردد خلل ز عریانی ‌ ‌ ز موجِ نور برخ بست طیلسان گوهر

بغیرِ فرقِ گهرپوش آن نزاکت بار ‌ ‌ ندیده ام که بود زیبِ کهکشان گوهر

مطلع ثانی

خیالِ ابروش آرد چو در کمان گوهر ‌ ‌ شود چو قبله نمایشِ زاهدان گوهر

سزای خویش نداشته هیچ جا زانرو ‌ ‌ بگوشوارهٔ او کرد آشیان گوهر

بسیرِ بحر چو رفت آن نگار زرین پوش ‌ ‌ ز عکسِ او شده همرنگ زعفران گوهر

سرشک ما ز صفای رخش منور شد ‌ ‌ بسینه بسته چرا شوخ رایگان گوهر

ز دردِ هجرِ بناگوشِ یار حیرانست ‌ ‌ بچشم میل کشد همچو سرمه دان گوهر

بهم رسانده زبانی ز رشته میسازد ‌ ‌ ستایشِ دُرِ دندانِ او بیان گوهر

لباسِ گوهر او چون فلک تماشا کرد ‌ ‌ روان نمود ز انجم بارمغان گوهر

ز سینهٔ صافی جانان صدف کند جبری — ز تنگی دهنش میدهد نشان گوهر

اگر بمحفل خود کرده گهر ریزی — که جای اشک براید ز شمعدان گوهر

بحیرتم بخیال رخ که گریانم — که گشت قطرهٔ اشکم عجب گران گوهر

بفکر مدح کدامین گهر فروزان شب — ز بحر طبع چنین میشود روان گوهر

در ثنای که طبع مرا ضیا بخشید — رسانده ام ز رقم تا بفرقدان گوهر

بوصف گوهر بحر نبوتم مائل — که نقش نقطه شود رشک یک جهان گوهر

امام و قبلهٔ کونین سید الشهدا — ز فیض خاک درش یافت عز و شان گوهر

بهار گلشن ایمان ضیای دیدهٔ دین — که شد به پیش سخنهاش قطره سان گوهر

فروغ دیدهٔ زهرا سکون جان علی — که از محیط رسالت برآمد آن گوهر

حسین صابر مظلوم راضی از تقدیر — ز خون دل بغم او شد ارغوان گوهر

ز گرد کویش اگر تحفه برد همراه — عجب مکن که شود بار کاروان گوهر

ز نقد فیض کلامش غنی شود عالم — که در سخن ز لبش ریخت بجهان گوهر

اگر ز عارض او پرتوی فتد در بحر — شود بچشم سمک خوار و ناتوان گوهر

ز روی خشم به نیسان اگر نگاه کند — شود بسینهٔ دریا شرر فشان گوهر

ز جوش مهر بشبنم کشاید ار چشمی — ز انفعال نیارند بر دکان گوهر

زروی وعظ اگر جمع مال منع کند — شود ز قطرگی خویش ترجمان گوهر
شهی که بهر ظهور رواج احکامش — بمنعمان جهان ست تر زبان گوهر
شمیم خلقش اگر بگذرد بدریا بار — برگرفته رسد جزو گلستان گوهر
اگر بیمن نگاهش سعادتی اندوخت — که شد به تخت صدف شاه کامران گوهر
کف عطایش اگر مایل سخا گردد — غنی طمع کند از دست مفلسان گوهر
بشان خیمهٔ او کن نظر که بهر شرف — ز تار موج باو بسته ریسمان گوهر
ز مطلع دگرے میکنم شروع خطاب — که کسب نور تمنا کند بآن گوهر

مطلع ثالث

بفیض مدح تو اندوختم چنان گوهر — بگوشوارهٔ طلب کرد حور ازان گوهر
بکارخانهٔ عالم کف نوال تو ریخت — بسنگ لعل بدریاے بیکران گوهر
نموده عکس جبین تو چرخ را روشن — ندیده است کسی اینقدر کلان گوهر
بوصف توسنت اندیشه را کجا طاقت — ز نسبت عرقش میشود روان گوهر
ز جستنش چو به ایما رقم کنم حرفی — چو برق میشود از دیدنش تپان گوهر
سکون و سرعت او دیده سخت حیران شد — بچرخ برق و بدریاے بیکران گوهر
بمدح جوهر تیغت قلم چو مایل شد — بپایش آمده زنجیر از گران گوهر

بخواهد ار کند از اهل حرص قطع امل — شرار تیغ تو و زنجیر بیکران گوهر
ز لعل آب و ز خورشید تاب بر دارد — بعمر خویش ندیدیم آنچنان گوهر
چنان شرف بود آن روضهٔ مقدس را — بخاک درگه او نیست هم قران گوهر
برای کسب شرف بر چراغ مشهد — ز فرط شوق شود مثل تابدان گوهر
توئی که گوهر نامت ضیای کونین است — گدای کوی تو بخشد بخسروان گوهر
چو هست گوهر مهر تو در خزانهٔ دل — دگر طلب چه کنم پیش این و آن گوهر
چه عرض دارم از احوال خویشتن شاها — که آرزوی دل زار شد همان گوهر
ز دست جور فلک سخت زار و نالانم — کند بدیدن آن اشک را روان گوهر
گشاد کار ندیدم بدور این بیرحم — چه سنگ ها زند آرم چو بر زبان گوهر
بر آید از فلک سفله کام کم ظرفان — گرفته است بکف گنج شایگان گوهر
ز اشک خویش بیادت دلم امان طلبد — بغیر آب ندارد نگاهبان گوهر
ز مهر خویش به من بخش گوهر ایمان — بگرد او نشود گاه همعنان گوهر
ز فیض مدح تو طبعم چنان ضیا اندوخت — که جای حرف در آمد بداستان گوهر
ز شعر من گهر شب چراغ شد روشن — ندیده است چنین چشم ماهران گوهر
قصیده با گهر منقبت شود موسوم — که تا نثار نمایند انس و جان گوهر

سخن کند بدعائیہ مختصر رونق | گرفتہ قدر ز تو اسپے خدایگان گوہر
ہمیشہ تا شود از پرتو تجلی غیب | بسنگ لعل و بدریا کند مکان گوہر
نثار روضۂ پرنور تو شود ہر دم | بجوش درد دل از چشم زائران گوہر

قصیدہ مسمی بہ وصف جشن عظیم کہ بہ تہنیت سالگرہ خوانی نواب عظیم جاہ گفتہ

عروس طالع ایام جلوہ آرا شد | کہ در حدیقۂ گیتی گل طرب وا شد
بہر طرف کہ نظر رفت طرفہ سرسبزیست | چو گلزمین سخن شہر و دشت خضرا شد
صفا پذیر چناں گشتہ است روی زمیں | کہ سطح کوہ چو آئینہ مصفا شد
مگر سحاب دریں فصل رنگ می بارد | کہ پیرہن بہ تن اہل زہد حمرا شد
تمام خلق جہاں چوں افق شفق پوش است | لباس سرخ بآغوش پیر و برنا شد
ز رنگ عیش چناں جام دل بود لبریز | کہ جوش خندۂ عشرت برنگ صہبا شد
تمام اہل سخن گرم شعر خوانیہا | ز سرد مہری دوراں اگرچہ یغما شد
سہ پاس روز سپے سیر چوں بروں رفتم | رہ گذار دو چارم یک اہل معنی شد
درون ز فکر سخن دیدمش پریشاں ضحی | عجب بطبع من خستہ حال پیدا شد
باو سوال چو کردم ز وجہ ایں تشویش | بطنز گفت شناسم کہ غفلت از جا شد

هنوز بیخبر افتاده بکلبهٔ خویش ز جشن مکتب نواب شور و غوغا شد

بفکر قطعه و رباعی غزل قصیده در آ اگر هوای سخن در سرت مهیا شد

چو این نوید بگوش دلم رسید بوجد دماغ شاعریم تیز خامه فرسا شد

بوصف جشن عظیمی غزل سرا گشتم که قفل کار فرو بسته راست این وا شد

مطلع ثانی

چه شور عیش در آفاق باز پیدا شد که ساز و برگ جهانی ازان مهیا شد

ومیکه خسرو انجم نظر برحمت داشت سعادتی ازلی را چو جوش دریا شد

خیال زینت و ترتیب بزم عالی شان بجشن مکتب نواب شاه ما را شد

چه شاه آنکه عظیم ست نام باجاهش کمینه چاکر درگاه او چو دارا شد

سکندر ست و فریدون و پیشکارانش دران زمانه که جمشید جام پیرا شد

غرض معاینهٔ بزم خاص دلکش داشت که شاه کشور ایران باین تمنا شد

هزار مایدهٔ فیض عالمی گسترد که سیرچشم طمع هم ز مال دنیا شد

ز وصف فیض و نوالش زبان شود قاصر بکلک حشمت او خامه عجز فرسا شد

هزار خلعت زرین و جامهٔ اطلس بصبح و شام بدوش کهار برپا شد

هزار خوان پر از الوان نعمت دوران بهر محله و کو عشرت نظرها شد

زجامهای گران قیمتی که در این جشن / عطای مردم سرکار فیض پیرا شد
محاسب خرد ست از شمار آن عاجز / دبیر عقل در اظهار آن باخفا شد
بروز بسمله خوانی خسرو آفاق / بتاسه ها که به تقسیم طفل و برنا شد
دهان پیر فلک شد حلاوت آلوده / بهای گوهر انجم بم عمر قها شد
بصد کمال فصاحت چو خواند بسم الله / صدای نوبت و نقاره تا ثریا شد
نوای تهنیت از جان قدسیان برخاست / ندای احسن و آمین ببزم اعلی شد
بزیر سایهٔ والای عم قصدهٔ خویش / رسد بعمر طبیعی که بس مهنا شد
زفرط روشنی و زیب و زینت محفل / گهر فروز حریم دلم چو هر جا شد
هزار سرو بلورین نظر فریبی کرد / به پیش تخت شهی هر که گام پیما شد
قطار فرش قنادیل هر دو جانب دید / کمال حزم در آن بارگه موذی شد
برنگبازی و آتش فروزی اقسام / چه عیشها که بحضار بزم والا شد
بدست پیر و جوان بود رنگ افشانی / درون خیمه که در صحن خانه برپا شد
چو یافتند اجازت برنگ بازیها / برنگ معنی رنگین بدن سراپا شد
به بزم تهنیتش صف کشند رقاصان / کدام نوشه دولت جلوس فرما شد
سماع زهره جبینان زبسکه رفته چرخ / هزار ولوله در خاطر مسیحا شد

زجوش رقص که تا هفته شور عشرت داشت | بطبع پیر و جوان لذتی مهیا شد
ادا کرشمهٔ رقاصگان خوشش پیکر | خلاع فاخره در بر چه قد را فرا شد
یکی بناز و ادا دل ربودی از محفل | یکی بنغمهٔ شیرین حلاوت آرا شد
بهر مقام میسر بخاص و عام طرب | زبان و عطر و گل و قهوه توده هر جا شد
بعرض حال کنم مطلع دگر انشا | کمال قدر حضورش چو آشکارا شد

مطلع ثالث

شها دمیکه نوال تو گنج پیرا شد | کف عطای تو دیدم که رشک دریا شد
چو یافت طالع دوران قران بهبودی | ز رحمت ازلی چون تو کارفرما شد
هنرشناس ترحم اساس و نیک قیاس | سپاس لطف تو افزون ز حصر و املا شد
بهر کمال دهی داد قدردانیها | علی الخصوص سخن را که از تو هرجا شد
ترا چو هست خداداد طبع موزونی | که بی تامل و دقت بنظم و انشا شد
بعید نیست ز تو قدر شعر ذی رتبه | که مستحق در گوش زهره سیما شد
بسمع شهرهٔ این فیض و قدردانیها | بر آستان تو رونق ز بهر مجرا شد
بساط بوس حضورت چو گشت از خوبی | نحوست زحل از طالعش مجلا شد
بفن نظم نمودست گرچه عمری صرف | ز دست جور فلک جمله محو و منسی شد

زچند سال گرفتار بیمعاشیهاست | محقّر نظرِ التفات با اجا شد
زعهدِ شاهِ شهادت پناه استحقاق | درین ریاست فیاضِ الدش را شد
قدامش متحقق زچار پشت ولیک | بکم نصیبی دور از حضورِ والا شد
بفیضِ صحبتِ جدِ تو گشته چون ممتاز | همیشه محترز زکار و بار اوئی شد
چو بے صله نشد از درگهت سخن سنجے | بر آستانهٔ تو عرضِ بنده بر جا شد
بصد ادب کنم از آرزوی خویش رقم | زعمرها بسرم این خیال پیدا شد
با وستادی شهزاده سرفرازم کن | که در ضمیرِ منِ خسته این تمنا شد
بفارسی سخن نظم و نثر دادم بهر | گهر شناس خریدار عمده کالا شد
ز قدر و رتبه و آدابِ صحبتِ امرا | مرا سلیقه زفیض حضور اعلیٰ شد
شد این مراد تو رونق قبول درگاهش | کف دعای تو پُر دُر ز آرزوها شد
همیشه تا چمنِ دهر از سحابِ کرم | بباغبانی دستت که بس مطرا شد
خجسته ماند و گیتی شود ثنا خوانت | دعای بندهٔ درگاه این مؤدّی شد
که باد ظلِ تو پاینده بر مفارق خلق | تو ئی که آهن و روی از کفت مطلا شد
شد این قصیده مسمی بوصف جشنِ عظیم | هزار شور و شغب زان بسطح غبرا شد

تمت بالخیر